Fikr-o-Nasar vol.1:5 (1963)

تحقیق ربوا

ڈاکٹر فضل الرحمن

(نوٹ :—فارسی زبان کا لفظ ' سود ' قرآنی اصطلاح ' ربوا ' کا مترادف نہیں ہے - اس فارسی لفظ کے لغوی معنیٰ ' نفع ' ہیں جس کا ضد ' زیان ' ہے اور جس کا عربی مترادف ' ربح ' ہے- اس مقالے میں ' ربوا ' کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے - لیکن قرآن کے اصطلاحی ربوا کا اردو ' فارسی یا کسی اور عجمی زبان میں ترجمہ کرنا راقم الحروف کے نزدیک نہ صرف سعی لاحاصل ہے بلکہ بنائے باطل بھی -)

ربوا یا ربا (مادہ : ر، ب ، و) کے لغوی معنے ہیں : اگنا، نشو و نما پانا، جیسے وتری الارض هامدة فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت و ربت - (الحج، ۲۳ : ۵)

(اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ لہلہانے اور نشو و نما پانے لگتی ہے-) بڑھنا (جیسے :

یمحق الله الربوا ویربی الصدقات (البقرة، ۲ : ۳۸) -

(اللہ ربوا کو گھٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے) -

وما آتیتم من ربأ لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عندالله - (الروم، ۳۰ : ۳۹)

(اور جو مال ربوا میں لگاتے ہو کہ لوگوں کی دولت میں جاکر بڑھ جائے تو اللہ کے نزدیک یہ بڑھوتری نہیں ہے)- ابھرنا (جیسے

وآوینها ربوة - (المومنون، ۲۳ : ۵۰)

(اور ہم نے ان دونوں کو ابھری ہوئی جگہ' یعنی ٹیلے پرپناہ دی) -

کمثل جنة بربوة - (البقرة، ۲ : ۲۶۵)

(کسی باغ کی مثل جو کسی ٹیلے پر ہو) - پھولنا (جیسے
فاحتمل السیل زبداً رابیاً - (الرعد، ۱۳: ۱۷)
(پھر سیلاب پھولی ہوئی جھاگ کو بہا لے گیا) - پالنا، پرورش کرنا (جیسے
ارحمھما کما ربیانی صغیراً - (بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۴)
(جس طرح ان والدین نے مجھے صغر سنی میں پالا، پوسا اور بڑا کیا تو اسی طرح
تو ان پر رحم کیجیو) -
الم نربك فینا ولیداً - (الشعراء، ۲۶: ۱۸)
(کیا ہم نے تجھے بچپن میں نہیں پالا؟) زیادتی، بڑھوتری کسی قسم کی- (جیسے
فاخذھم اخذة رابیة - (الحاقة، ۶۹: ۱۰)
(پھر ان پر بڑی سخت گرفت ڈالی) -
ان تکون امة ھی اربی من امة - (النحل، ۱۶: ۹۲)
(ایک گروہ کسی دوسرے گروہ سے طاقت میں بڑھ چڑھ گیا ہے) -

ربوا کے اصطلاحی معنی انھیں حقیقی لغوی معنوں سے ماخوذ ہیں جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوگا - اس مقالے میں اولاً ہم اس ربوا کی ماہیت پر روشنی ڈالیں گے جس کی ممانعت قرآن حکیم میں آئی ہے - دوسرے حصے میں ہم ان فقہی احادیث سے بحث کریں گے جن کی رو سے قرآنی ربوا کو وسعت دیکر اس کا اطلاق مبادلہ اور معاملات کی مختلف شکلوں پر کیا گیا ہے - یہ تقسیم اس لئے بھی ضروری ہے کہ جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ ربوا کی دو الگ الگ قسمیں ہیں - ایک کو ربا القرآن کہا گیا ہے اور دوسرے کو ربا الحدیث یا ربا الفضل- تیسرے حصے میں ہم مختصراً یہ بتائیں گے کہ موجودہ معاشی نظام میں بینک کے منافع (interest) کا کیا مقام ہے - اور خاتمہ میں ہم ان مباحث کے نتائج پیش کریں گے -

(۱)

ربوا اور قرآن

ربوا کے بارے میں قرآن حکیم کا سب سے پہلا ارشاد یہ ہے :-

وما آتیتم من ربا لیربوا في اموال الناس فلا یربوا عند الله وما آتیتم من زکوة تریدون وجه الله فاولئك هم المضعفون - (الروم، ۳۰ : ۳۹)

(اور جو مال تم ربوا میں لگاتے ہو تاکہ لوگوں کی دولت میں جاکر یہ بڑھ جائے تو اللہ کے نزدیک یہ بڑھوتری نہیں ہے - ہاں البتہ جو زکواۃ تم دیتے ہو کہ اللہ کی خوشنودی حاصل ہو تو یقیناً اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی دولت دو چند سہ چند ہوتی ہے) - یہ آیت سورۂ روم کی ہے جس کے تمامتر مکی ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں - (ملاحظہ ہو امام سیوطی رح کی 'الاتقان فی علوم القرآن' مطبع موسویہ، مصر- سنہ ۱۲۷۸ھ - ج ' ۱ - ص ' ۱۱ تا ۲۲) - اس کی ابتدائی آیات کی داخلی شہادت اس امر پر دال ہے کہ یہ بعثت کے چوتھے' پانچویں سال یا اس سے بھی قبل اتری ہے - کیونکہ ادنی الارض (عرب کے قریبی ملک) یعنی ارض شام و فلسطین میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومیوں کی شکست جس کا ذکر ان آیات میں ہے ' سنہ ۶۱۱ء (سنہ ۱ نبوی) سے شروع ہوئی اور سنہ ۶۱۴ء (سنہ۴نبوی) میں زوال و سقوط بیت المقدس کے بعد اپنے اوج پر پہنچی - (ملاحظہ ہو گبن (Gibbon) کی ' تاریخ زوال و سقوط سلطنت روما ' History of the Decline and Fall of the Roman Empire باب ۴۶)- ربوا کی مذمت کا قرآن کی اتنی ابتدائی آیات میں نازل ہونا تعجب کی بات نہیں بلکہ ایسا نہ ہونا سخت حیرت انگیز اور قرآن کی حکمت بالغہ کے منافی ہوتا - قرآن کی مکی سورتیں اپنے زمانہ کے مکے کے غیر منصفانہ معاشی نظام کی مذمت' اس وقت کے امراء کی نفع اندوزی اور بخل پر زجر و توبیخ، اور بنیادی تجارتی خرابیوں (مثلاً کم تولنے ، کم ناپنے) کی ممانعت سے پر ہیں' پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ربوا جیسی بڑی خرابی پر تنبیہ نہ کی جاتی؟ یہ ضرور ہے کہ اس وقت تک اسلام کو وہ

اقتدار نہیں حاصل ہوا تھا جس سے اس برائی کا مکمل سدباب کیا جاتا اور اس مقصد کے پیش نظر اس کی حرمت کا اعلان کیا جاتا ۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اس مکی آیت میں ربوا کی صرف اخلاقی بے وقعتی اور اس کے مقابلے میں صدقات کی اللہ کے نزدیک مقبولیت کا ذکر کیا ۔

ہجرت مدینہ کے بعد جب اسلام کو اقتدار ملا تو ربوا کی حرمت کا اعلان مدنی سورہ آل عمران کی اس آیت میں کیا گیا :

یا ایھا الذین آمنو لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ۔ (آل عمران، ۳ : ۱۳۰) ۔

(اے ایمان والو یہ دو چند سہ چند ہونے والا ربوا کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو ۔ امید ہے کہ فلاح پاؤگے) ۔

اس کے بعد اسی ممانعت کا اعادہ شدید تاکیدی الفاظ میں جن کے ساتھ تہدید بھی شامل ہے ، سورہ بقرہ کی آیات ۲۷۴ تا ۲۸۰ میں کیا گیا ۔ آیات یہ ہیں :-

الذین یاکلون الربا لایقومون الاکما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس ذلك بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا فمن جاءه موعظة من ربه فانتهی فله ما سلف وامره الی اللہ ومن عاد فاولئك اصحاب النار هم فیها خالدون یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات واللہ لا یحب کل کفار اثیم ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات واقاموا الصلوة وآتوا الزکوة لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللہ و ذروا ما بقي من الربوا ان کنتم موسنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسوله وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔

[جو لوگ ربوا لیتے ہیں اور اس سے اپنا پیٹ پالتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اس آدمی کا سا کھڑا ہونا جسے شیطان کی چھوت نے باؤلا کر دیا ہو۔ یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے (ربوا کے ناجائز ہونے سے انکار کیا اور) کہا کہ خرید و فروخت کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے ربوا کا لین دین۔ حالانکہ خرید و فروخت کو تو خدا نے حلال ٹھہرایا ہے اور ربوا کو حرام۔ سو اب جس کسی کو اس کے پروردگار کی یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ آئندہ ربوا لینے سے رک گیا تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے وہ اسی کا ہو چکا ہے، اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے ' لیکن جو کوئی باز نہ آیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔ اللہ ربوا کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور تمام ایسے لوگوں کو جو نعمت الہی کے ناسپاس گزار اور نافرمان ہیں ' اللہ کی پسندیدگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کے کام بھی اچھے ہیں نیز نماز قائم کرتے اور زکواۃ ادا کرتے ہیں تو بلا شبہہ ان کے پروردگار کے حضور ان کا اجر ہے۔ نہ تو ان کے لئے کسی طرح کا ڈر ہو سکتا ہے نہ کسی طرح کی غمگینی۔ اے ایمان والو اگر فی الحقیقت تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس سے ڈرو اور جس قدر ربوا مقروضوں کے ذمے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ اور اگر اس سے توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی اصل رقم لے لو اور ربوا چھوڑدو۔ نہ تو تم کسی پر ظلم کرو نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔ اور اگر ایسا ہو کہ مقروض تنگدست ہے تو چاہئے کہ اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔ اور اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے لئے بہتری کی بات تو یہ ہے کہ اس کا قرض بطور خیرات بخش دو]۔

سیاق عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیات تحریم ربوا کے سلسلے کی آخری آیات ہیں۔ بعض روایات میں اس امر کو وسعت دیکر کہا گیا ہے کہ یہ قرآن کی آخری آیتیں ہیں جو نازل ہوئیں ' اور یہی بات اور زیادہ پھیل کر حضرت عمر رض کی طرف یوں منسوب ہوئی کہ ربوا کی تحریم کا حکم سب سے آخر میں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد زیادہ عرصہ

اس دنیا میں تشریف فرما نہ رہ سکے کہ آپ اس کی پورے طور پر وضاحت فرما دیتے کہ ربوا میں کیا کیا چیزیں داخل ہیں - لہذا ہم کو نہ صرف ربوا بلکہ ریبہ (یعنی جن پر ربوا کا شک ہو) سے بھی بچنا چاہئے- ان روایات کا جائزہ ہم اس مقالے کے دوسرے حصے میں لینگے- یہاں "القرآن یفسر بعضہ بعضاً" (قرآن کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی تفسیر بیان کرتا ہے) کے مسلمہ اصول کی بناء پر ربا القرآن کو سمجھنے کی کوشش کریں گے -

قرآنی آیات کے اس سلسلے کی بنیادی کڑی سورۂ آل عمران کی آیت ہے - سورۂ الروم کی آیات تحریم ربوا کی اسی آیت کے لئے بطور تمہید تھیں اور سورہ البقرۃ کی آیات اسی کا تتمہ ہیں اور تکملہ - ان تمام آیات کر ان کی تنزیل کی ترتیب میں دیکھنے سے یہ باتیں واضح ہوتی ہیں :-

(ا) ربوا ایک ایسا جاہلی معاشی نظام تھا جس میں سود در سود کے طریق عمل سے راس المال کی مقدار اضعافا مضاعفہ یعنی دو چند سہ چند بڑھ جاتی تھی - (ب) اس چند در چند سود کے عمل کی وجہ سے قرآن نے ربوا کو عادلانہ تجارتی کاروبار کی ایک قسم تسلیم کرنے سے انکار کردیا - (ج) قرآن تاجرانہ منافع کو حلال قرار دیتے ہوئے نفع اندوزی کے جذبے کے برخلاف صدقات کی امداد باھمی کی روح کو ترقی دینا چاہتا ہے -

تاریخی شہادتیں ایسی موجود ہیں جن سے قرآن حکیم کے ان ارشادات کو سمجھنے اور جس ربوا کے خلاف اس کی وعیدیں ہیں ان کی حقیقت کو جاننے میں مدد ملتی ہے -

موطا امام مالک رح میں حضرت زید بن اسلم رح سے مروی ہے کہ :
کان الربا فی الجاھلیۃ ان یکون للرجل علی الرجل الحق الی اجل فاذا حل الحق قال أتقضی أم تربی؟ فان قضاہ اخذ و الا زادہ فی حقہ وزادہ الاخر فی الاجل - (مؤطا، کتاب البیوع، نمبر ۳۸) -

یعنی " جاھلیت میں ربوا یہ تھا کہ کسی شخص کا کسی دوسرے پر قرض کسی مدت کے لئے واجب ہوتا تو جب مدت ختم پر آتی تو قرضخواہ قرض دار

سے پوچھتا کہ تم ادا کروگے یا بڑھاؤگے؟ اگر وہ ادا کردیتا تو وہ وصول کرلیتا ورنہ اپنے قرض کی رقم میں اور قرضدار کی مہلت ادائیگی میں اضافہ کردیتا "۔

مودودی صاحب کا قیاس یہ ہے کہ پہلی مدت کے لئے قرض بغیر سود کے دیا جاتا تھا (ملاحظہ ہو " سود "۔ مطبوعہ لاہور، سنہ ۱۹۶۱ء، ص ۲۵۸ حاشیہ نمبر ۲)۔ لیکن مکہ جیسے تجارتی شہر میں یا مدینے جیسے یہودی معاشرے میں جہاں سردی کاروبار ایک عام بات تھی ان کے اس قیاس کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ سو کے دو سو اور پھر اگلے سال چار سو کرنے والے سود خوار پہلی مرتبہ کا قرض محض حسبہ" للہ دے دیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مودودی صاحب کے اس قیاس کے برخلاف مفتی محمد شفیع صاحب کا یہ کہنا ہے کہ "عرب میں اس کا اکثر رواج اس طرح تھا کہ ایک معین رقم، معین مدت کے لئے، معین مقدار سود پر دے دی جاتی تھی۔ قرض خواہ [کذا] نے اگر میعاد مقررہ پر واپس کردی تو مقررہ سود لیکر معاملہ ختم ہوگیا اور اس وقت واپس نہ کرسکا تو آئندہ کے لئے مزید سود کا معاملہ کیا جاتا تھا "۔ ("مسئلہ سود" مطبوعہ کراچی، سنہ ۱۳۸۰ھ، ص ۹ تا ۱۰)۔ لیکن مندرجہ بالا اثر سے، جسے امام مالک رح کے علاوہ بیہقی، رزین، اور دوسرے ائمہ حدیث و فقہ نے بھی نقل کیا ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی مدت کا یہ سود ربوا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ربوا راس المال میں اضافہ تھا جس سے چند الٹ پھیر میں اصل زر کئی گنا ہو جاتا تھا۔ واقعہ یہ نظر آتا ہے کہ ابتداءً کچھ رقم مقررہ میعاد تک کے لئے سود پر قرض دی جاتی۔ میعاد کے اختتام پر اگر قرض دار رقم ادا نہ کرسکتا تو بنیادی قرض یعنی راس‌المال میں کافی اضافہ کرکے مدت ادائیگی میں توسیع کر دی جاتی۔

تحریم ربا کے سلسلے کی آخری یعنی سورۂ بقرہ کی آیات میں سے آیت " ذروا ما بقی من الربوا الایۃ "(باقی‌ماندہ ربوا چھوڑ دو) سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے کہ جہاں بڑی رقمیں قرض پر دی گئیں تو قرضدار صرف ربوا بالا قساط ادا کرتا رہتا تھا پھر بھی وہ ربوی سود ادا نہ کر پاتا تھا۔ راس المال کی واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ طبری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو مغیرہ کی طرح بعض قبیلے کے قبیلے سودی

قرض کے بار سے دبے ہوئے تھے اور اسلام لانے کے بعد ان کا اپنے قرض خواہوں سے خوشگوار تعلقات قائم رکھنا دشوار ہوگیا تھا - (ملاحظہ ہو تفسیر طبری، محولہ بالا ، ج ۹ ، ص ۲۲ تا ۲۳) -

جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے، تحریم ربوا کے سلسلہ کی آیات میں سورهٔ آل عمران کی آیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے - اس میں ربوا کی یہی بنیادی علت یعنی ''اضعافا مضاعفة'' چند در چند ہو جانا بیان کی گئی ہے - طبری نے مشہور تابعی مفسر قرآن حضرت مجاہد رح سے روایت کی ہے کہ یہی اضعافا مضاعفه" ہونے والا سود ربا الجاهلیه" تھا-متن عبارت درج ذیل ہے :-

حدثنا محمد بن عمرو قال حدثنا أبو عاصم عن عيسى عن ابن ابى نجيح عن مجاهد في قول الله عزوجل يا ايها الذين آمنوا لا تاكلوا الربا اضعافا مضاعفة قال ربا الجاهلية- (تفسير الطبرى، ج ۷، ص ۲۰۳)-

اسی ام التفاسیر میں دوسرے مشہور تابعی مفسر حضرت زید بن اسلم رح سے جو اثر مروی ہے اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ
جاہلیت کے ربوا کی خصوصیت اس کا چند در چند ہونا (تضعیف) تھا -

اس اثر میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ تضعیف کا یہ عمل مال و زر اور جانوروں کے قرض کے معاملے میں کس طرح کار فرما ہوتا تھا - اس کی پوری عبارت درج ذیل ہے :-

حدثني يونس قال اخبرنا ابن وهب قال سمعت ابن زيد يقول فى قوله - " لا تاكلوا الربوا اضعافا مضاعفة " قال كان ابي يقول انما كان الربا فى الجاهلية فى التضعيف وفي السن - يكون للرجل فضل دين فياتيه اذا حل الاجل فيقوله : تقضيني أو تزيدني فان كان عنده شئ يقضيه قضى والا حوله الى السن التى فوق ذلك ان كانت ابنة مخاض يجعلها ابنة لبون في

السنة الثانية ثم حقة ثم جذعة ثم رباعيا ثم هكذا الى فوق و فى العين باتيه فان لم يكن عنده أضعفه فى العام القابل فان لم يكن عنده اضعفه ايضا فتكون مئة فيجعلها الى قابل مئتين فان لم يكن عنده جعلها اربعمئة يضعفها له كل سنة أو يقضيه قال فهذا قوله لا تاكلوا الربا اضعافا مضاعفة۔
(تفسیر الطبری ، ج ۷ ، ص ۲۰۴ تا ۲۰۵)

اوپر کی بحث سے ظاہر ہوا کہ زمانہ جاہلیت کا ربوا کا معاشی نظام کتنا جابرانہ تھا کہ سو کے اگلے سال دو سو اور اس سے اگلے سال چار سو اور پھر سولہ سو اسی طرح اضعافاً مضاعفہ" ہوتے جاتے تھے کہ بیچارہ قرضدار ادا کرتا رہتا تھا پھر بھی راس المال (زر اصل) تو الگ رہا، سود بھی ادا نہ ہو پاتا تھا۔ یہی جاہلیت کا ربوا تھا جسے قرآن نے حرام قرار دیا ہے اور جسے روا رکھنے والوں کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ کیا ہے ۔

(۲)

ربوا اور حدیث

شراب کی طرح ربوا زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی گھٹی میں پڑا تھا ۔ اور اس طرح کا کاروبار کرنے والوں کے لئے اتنا زیادہ اور اس قدر جلد ملنے والا نفع تھا کہ اس کی حرمت کا حکم بھی شراب کی تحریم کی طرح بتدریج نازل ہوا ۔ جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا ہے اس کی مذمت نبوت کے ابتدائی سنین میں ہجرت سے کافی قبل سورہ روم کی آیت میں نازل ہوچکی تھی ۔ حکیمانہ نرمی کے ساتھ مذمت والی آیت کے بعد اس سلسلے کی دوسری اور تیسری تنزیل یقیناً مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے ابتدائی سالوں میں ہوئی ہوگی ۔ لیکن روایات اس کے برخلاف ہیں ۔ اور یہیں سے غلط فہمیوں کی ابتدا ہوتی ہے ۔

اس بارے میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جو حضرت عمر رضہ کی طرف منسوب ہے ۔ اور درج ذیل ہے :۔

ان آخر ما نزل من القرآن آية الربا وان رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض ولم يفسرها لنا فدعوا الربوا والريبة —

یعنی ''قرآن کی سب سے آخری تنزیل ربا کی آیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھا لئے گئے اور وہ اس کی تفسیر نہ بیان کر سکے ۔ اس لئے ربوا اور ریبہ (یعنی مشکوک معاملے) دونوں کو چھوڑ دو'' - یہ روایت مسند احمد بن حنبل، سنن ابن ماجہ ، مصنف ابن ابی شیبہ' بیہقی کی دلائل النبوۃ اور اسی طرح کی طبقۂ متاخرین کے دوسرے محدثوں کی تالیفات میں ملتی ہے (کنزالعمال' مطبوعہ حیدرآباد دکن، سنہ ۱۳۱۲ھ، ج ۲' ص ۲۳۱ نمبر ۴۹۵۴) اسی مضمون کی لیکن محدود تر معنوں میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضہ سے ایک روایت صحیح بخاری میں ہے - امام بخاری رح نے سورۃ البقرہ کی آخری آیات ربوا کا باب باندھ کر روایت کی ہے :- حدثنا قبصة ابن عقبة حدثنا سفيان بن عاصم عن الشعبي عن ابن عباس رضى الله عنهما قال آخر آية نزلت على النبي صلى الله عليه وسلم آية الربا - (صحیح البخاری - کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ ، باب واتقوا یوماً ترجعون فیه الی اللہ - ایضاً، کتاب البیوع، باب موکل الربا، جہاں یہ روایت موقوفاً درج ہے لیکن آیات ربوا یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقي من الربوا - سے لیکر وهم لا یظلمون تک نقل کر کے یہ اثر بیان کیا گیا ہے) یعنی '' آخری آیت (بصیغۂ واحد) جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری وہ ربوا کی آیت (ایضاً بصیغۂ واحد) تھی '' - اولاً ایک نہ دو پوری سات آیتوں کے لئے صیغۂ واحد کا مکرر استعمال حیرت کی بات ہے - ثانیاً کتاب التفسیر میں اسی مقام پر جہاں یہ روایت درج ہے وہیں حضرت عائشہ رض سے چار طریقوں سے یہ مروی ہے کہ :

لما نزلت الآيات من آخر سورة البقرة فى الربا قرآها رسول الله صلى الله عليه وسلم على الناس ثم حرم التجارة فى الخمر-

یعنی '' جب سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (بصیغۂ جمع) ربا کے بارے میں نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ آیتیں سنا کر شراب

کی خرید و فروخت کو (بھی) حرام قرار دیا " - اس روایت کی رو سے حضرت عائشہ رض نے نہ صرف ان آیات کے آخری تنزیل ہونے سے سکوت کیا ہے بلکہ اس کا تعلق شراب کی خرید و فروخت کی تحریم سے جوڑ کر اسے سنہ ۴ھ کے لگ بھگ نازل ہونے کے لئے قیاس کی راہ کھول دی ہے - کیونکہ عام روایات کے رو سے اسی سال شراب کی حرمت کا حکم ہوا تھا - بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اسی صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں سورۃ براۃ (التوبہ) کے ذیل میں حضرت براء رض سے مروی ہے کہ :

آخر آیة نزلت : یستفتونك قل اللہ یفتیکم فی الکلالة وآخر سورة نزلت براۃ - (ایضاً، صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب آخر آیة نزلت، الخ)- یعنی "آخری آیت جو نازل ہوئی وہ یہ تھی : یستفتونك قل اللہ یفتیکم فی الکلالة اور آخری سورت براۃ تھی "- صحیح بخاری سے ہٹ کر اگر دیکھا جائے تو اس باب میں احادیث کے معارضے کا اور زیادہ فراخ دروازہ کھل جاتا ہے جس کی تفصیل امام سیوطی رح نے علوم قرآن کی مایہ ناز کتاب الاتقان کی نوع ثامن معرفة آخر ما نزل (اتقان، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۳ تا ۳۵) میں بیان کی ہے -

روایات کے اس شدید معارضے کے علاوہ اور بھی کئی وجہیں ایسی ہیں جن سے حضرت عمر رض کی طرف منسوب اثر کو رد کرنا ضروری ہے- (۱) جیسا کہ ہم نے اوپر واضح کیا ہے ربوا کی تحریم کا تدریجی سلسلہ مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں شروع ہوگیا تھا - اس وقت سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند دن قبل تک صحابہ رض کا ربوا کے کاروبار میں ایسا مشغول رہنا کہ خدا کو اپنے اور رسول کے خلاف جنگ کی شدید دھمکی دینی پڑے، یہ صحابہ کرام رض کی پاک سیرتوں پر بہتان عظیم ہے- اغلب ہے کہ اسی خطرے کے پیش نظر طبری، بیضاوی، سیوطی، اور دوسری تمام متداول تفاسیر میں مکی سورۂ روم کی آیت میں لفظ " ربوا " کے معنے " ہدیہ " بتائے گئے ہیں . انہیں روایات میں حلال ربوا کی ایک قسم ایجاد کی گئی ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت اس حلال ربوا کے بارے میں ہے (تفسیر طبری، مطبوعہ مصر، سنہ ۱۳۳۰ھ، ج ۲۱، ص ۲۹ تا ۳۱- الدر المنثور للسیوطی،

مطبوعہ طہران، سنہ ١٣٧٧ھ، ج ٥، ص ١٥٦. تفسیر البیضاوی، مطبوعہ استانبول، سنہ ١٣١٦ھ، ج ٢، ص ٢٤٧) - ان روایات کی تائید صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں امام بخاری رح کی اپنی اس تفسیر سے ہوتی ہے :-

فلا یربوا عند اللہ من اعطی عطیۃ یبتغي افضل منہ فلا اجر لہ فیہا - (تفسیر سورۃ الروم)

یعنی "فلا یربوا عنداللہ" کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو عطیہ دے اور بدلے میں اس سے بہتر عطیہ کی خواہش رکھتا ہو تو اسے اللہ کے یہاں اس کا اجر نہیں ملے گا"- ہم یہ ادب عرض کرینگے کہ قرآن کی ان بنیادی اصطلاحات میں اس طرح کی تاویلات اور ربوا میں ربوا الحلال اور ربوا الحرام کی تفریق کو راہ دینا ہمیں قبول نہیں- علاوہ ازیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مکے کی تاجرانہ اور زر پرستانہ معاشرت کی اصلاح کے پیش نظر ربوا کی مذمت نہ کرنا ہمارے خیال میں قرآن کی حکمت بالغہ کے منافی ہوتا -

(٢) یہ بات بھی آسانی سے تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ ربوا جیسا ادارہ جس پر قرآن حکیم میں اتنے پہلے سے نکتہ چینی شروع ہوچکی تھی اور آخر تک پہنچتے ہوئے وہ شدت اختیار کر چکی تھی جس کی کوئی نظیر قرآن میں موجود نہیں اسکی وضاحت وقت کی تنگی کی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کماحقہ نہ ہوسکی ہو- اس سے قرآن حکیم کے اس دعوے کی بھی نفی ہوتی ہے کہ- الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی- (المائدۃ، ٥: ٣) یعنی "آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کردیں"- حضرت عمر رض ہی سے مروی ہے کہ یہ آیت حجۃالوداع کے موقع پر عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی - (الاتقان، محولہ بالا، ج ١، ص ٢٣ و صحیح مسلم، کتاب التفسیر) اور اگر آیت ربوا آخری تنزیل ہے تو بہر حال یہ آیت ان سے پہلے ہی نازل ہوئی ہوگی- اسی اشکال کے پیش نظر حضرت سدی رح اور انکے علاوہ مفسرین کی ایک جماعت نے تصریح کردی ہے کہ اس آیت الیوم اکملت لکم کے نزول کے بعد حلت و حرمت کی کوئی آیت نہیں اتری-

"لم يتنزل بعدها حلال ولا حرام" - (الاتقان، محولہ بالا، ج ١، ص ٣٥)
امام طبری رح نے اس کی تاویل کی یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت میں تکمیل دین کے معنی یہ ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے متمکن ہوئے اور وہاں سے مشرکوں کے نکالے جانے کی تکمیل ہوگئی تھی ! متن درج ذیل ہے :—

(الاولی الاقوال فی ذلک بالصواب ان یقال : ان الله عزوجل اخبر نبیه صلی الله علیه وسلم والمومنین به انه اکمل لهم دینهم باقرارهم بالبلد الحرام واجلاء المشرکین عنه ، الخ - تفسیر الطبری ، مطبوعہ دارالمعارف مصر، ج ٩ ، ص ٥٢٠) اس تفسیر سے ختم نبوت پر روشن دلیل والی اس آیت کی جو صورت بنتی ہے وہ ہمارے نزدیک ہرگز قابل قبول نہیں - اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ مشہور ہوجانے والی، لیکن درحقیقت غلط، حدیث کی تقلید کی زد دین کے کیسے کیسے بنیادی اصولوں پر پڑتی ہے -

(٣) اثر زیر نظر پر ایک اور شدید اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ سورۃالنساء کی آیات ١٦٠ و ١٦١ میں ارشاد ہے کہ :-

فبظلم من الذین هادوا حرمنا علیهم طیبت احلت لهم وبصدهم عن سبیل الله کثیرا واخذهم الربوا وقد نهوا عنه واکلهم اموال الناس بالباطل واعتدنا للکفرین منهم عذاباً الیما -

یعنی " ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب بہت سی پاکیزہ چیزیں جو انکو حلال تھیں ان پر حرام کردیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر خدا کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے - اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے ربوا لیتے تھے - اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا ناحق مال کھاتے تھے اور ان میں جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے " - ظاہر ہے کہ یہودیوں کو یہ الزام دینا اسی وقت ممکن اور درست ہوسکتا تھا جب کہ خود مسلم معاشرے سے ربوا کا کاروبار بالکل ختم ہو چکا ہوتا - ورنہ یہود یقیناً مسلمانوں کو الزام دیتے کہ تم تو خود وہی کرتے ہو جس کا ہمیں طعنہ دیتے

ہو ۔ ساتھہ ہی یہ تاریخی واقعہ مسلم ہے کہ بنوقریظہ جو مدینہ کے قبائل یہود میں سے آخری بچا ہوا قبیلہ تھا ، اس کا مدینہ سے اخراج سنہ ۵ ھ میں غزوۂ خندق کے فوراً بعد عمل میں آچکا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسکے بعد قرآن حکیم کا یہود سے معارضہ ختم ہو جاتا ہے۔ اسلئے یہود پر یہ الزام سنہ ۵ ھ کے اختتام سے پہلے ہی ہوسکتا تھا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے لئے ربوا کی ممانعت کا حکم سنہ ۵ ھ سے قبل ہی آچکا ہوگا ۔

(۴) جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں، سورۂ آل عمران کی آیت ''لا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفہ'' (الآیہ) تحریم ربوا کے سلسلہ کی آیات کی بنیادی کڑی ہے، سورۂ روم کی آیات اس کی تمہید تھیں اور سورۂ بقرہ کی آیات اس کا تتمہ اور تکملہ ۔ اس آیت کے نزول کے بارے میں قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ غزوۂ احد کے فوراً بعد نازل ہوئی ہوگی ۔ کیونکہ اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد کی آیات میں مسلسل غزوۂ احد کی شکست، اس کے نتائج، اس کے اسباب، اور دوبارہ ایسے افسوسناک واقعہ کے نہ ہونے کی تدابیر کا ذکر ہے ۔ غزوۂ احد کی شکست کا بنیادی سبب کچھ مسلمانوں کا مال کی محبت میں لوٹ مار پر متوجہ ہوجانا تھا ۔ غالباً اسی لئے ربوا کی حرمت کا اعلان کیا گیا تاکہ مال کی محبت کی بنیاد یعنی ربوی نظام معیشت کی بیخ کنی ہوجائے ۔ ہم نے اوپر جن روایات اور تاریخی شہادتوں کا ذکر کیا ہے، ان سے ہمارے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے ۔

اوپر کی تنقیحات سے یہ نتیجہ نکلا کہ ربوا کی مذمت کی پہلی آیت مکی زندگی کے ابتدائی سالوں میں، رومیوں کی شکست کے واقعہ کے بعد، اس کی حرمت کا اعلان ہجرت کے تیسرے سال، غزوۂ احد کے بعد اور آخری تہدیدی آیتیں بنو قریظہ اور دیگر قبائل یہود کے جلاوطن کئے جانے سے قبل، یعنی سنہ ۵ ہجری سے پہلے، نازل ہوئیں ۔

ہمارے زمانۂ حال کے اہل قلم میں سے مودودی صاحب اس معاملے میں ہمارے ہم خیال نظر آتے ہیں ۔ وہ اپنے رسالہ ''سود'' طبع سوم (سنہ ۱۹۵۴ء) کے حصہ اول میں ''حکمت قرآنی اور اصلاح تمدن'' (ص ۱۶۲ تا ۱۶۹) کے عنوان کے تحت تفصیلاً یہ بتاتے ہیں کہ ربوا کی مذمت مکہ معظمہ کی تنزیل میں آچکی تھی اور '' احد سے واپس مدینہ پہنچتے ہی '' سورۂ آل عمران کی حرمت

ربوا کی آیات نازل ہوئیں (ص ۱۶۵ تا ۱۶۶) - لیکن حیرت ہے کہ شد و مد سے حکمت قرآنی کی یہ تشریح کرنے کے ساتھ ہی وہ حضرت عمر رض کی طرف منسوب اثر کو بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں - (طبع سوم سنہ ۱۹۵۴ء ص ۵۱ اور طبع جدید، جنوری سنہ ۱۹۶۱ء، ص ۶۰) اور ان دونوں امور میں شدید تضاد کو محسوس نہیں کرتے - شاید مودودی صاحب کے منطقی ذہن نے متعدد سال گزر جانے کے بعد (ان کا مضمون محولہ بالا، ابتداءً ترجمان القرآن، بابت اگست سنہ ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا تھا) اس تضاد کو محسوس کیا اور ان سے حسن ظن رکھتے ہوئے ہم یہ قیاس کرینگے کہ اسی تضاد کے پیش نظر انہوں نے اپنے رسالہ '' سود '' کے تازہ ترین ایڈیشن مطبوعہ سنہ ۱۹۶۱ء میں اس پورے مضمون کو خارج کردیا اور حضرت عمر رض کی طرف منسوب قول کو اپنی تائید میں رہنے دیا - لیکن ہم مودودی صاحب سے یہ توقع رکھنے میں شاید حق بجانب ہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہونگے کہ قرآن حکیم کی آیات کی تنزیل کی تاریخی ترتیب اور ان کے شان نزول کا مسئلہ اتنا غیر اہم نہیں کہ اس کے بارے میں سلف کے مفسرین کی رائے کے برخلاف ایک دعویٰ پیش کرنے کے بعد چپ چپاتے اس سے رجوع کرلیا جائے -

ہم نے حضرت عمر رض کی طرف منسوب مشہور روایت کی تردید میں قدرے تفصیل سے کام لیا ہے کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اور اسی قسم کی دوسری روایتیں ربوا القرآن کی حقیقت کو پہچاننے میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں - اور انہیں کی بنیاد پر ربوا کے سلسلہ کی دوسری اور روایات کی عمارت استوار ہے - ایسا نظر آتا ہے کہ کسی ابتدائی مرحلے پر یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ ربوا کے بارے میں قرآن کی تصریحات نامکمل ہیں جن کی تکمیل احادیث کے ذریعہ ہی ممکن ہے - مندرجۂ بالا آثار شاید اسی جذبے کے ابتدائی مظاہر ہیں - غالباً یہی وجہ ہے کہ ان آثار کی طرح ربوا کے سلسلے کی فقہی حدیثوں میں بھی شدید معارضہ ہے - جن میں سے چند کی مثالیں مجملاً درج ذیل ہیں :-

(۱) صحیح بخاری (کتاب البیوع) ، صحیح مسلم (ایضاً)، سنن نسائی (ایضاً) ، سنن دارمی (ایضاً) ، سنن ابن ماجہ (ابواب التجارات) ، اور مسند احمد بن حنبل (ج، ۵، ص ۲۰۰ ، ۲۰۲، ۲۰۳ ، ۲۰۶ ، ۲۰۸ اور ۲۰۹) میں مختلف طریقوں سے روایتیں موجود ہیں جن کا واضح مفہوم یہ ہے کہ ربا صرف ادھار کے

لین دین میں ہوتا ہے۔ الربا فی النسیئہ ۔ اور صحیح بخاری کے زیادہ تاکیدی الفاظ میں لا ربا الا فی النسیئۃ ۔ (لفظی ترجمہ :۔ نہیں ہے ربا مگر صرف ادھار میں) یا صحیح مسلم کی ایک اور اسی مضمون کی حدیث کے الفاظ میں لا ربا فی ما کان یداً بید۔ (اگر لین دین دست بدست ہو تو اس میں ربوا نہیں ہوتا)۔اس مضمون کی احادیث کے مستقل باب مذکورہ بالا مجموعہ ہائے احادیث میں ملتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان ہی میں بکثرت ایسی حدیثیں بھی ملتی ہیں جن سے ان کے برخلاف (۱) سونا ، (۲) چاندی ، (۳) گیہوں ، (۴) جو ، (۵) چھوہارے اور (٦) نمک میں لین دین اگر دست بدست ہو ، ادھار نہ ہو تب بھی زیادتی کمی کی صورت میں ربوا ہو جائے گا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح ، مثلاً یداً بید فمن زاد اواستزاد فقد اربی الآخذ والمعطی فیہ سواء ۔ (متفق علیہ)

یہی روایت اختلاف الفاظ کے ساتھ صحاح کی دوسری کتابوں میں موجود ہے ۔ ائمہ فقہ کے درمیان اس بارے میں اختلافات بہت دور تک گئے ہیں اور ان سب متخالف و متضاد آراء کا استناد صحیح حدیثوں میں موجود ہے ۔ایسا پتہ چلتا ہے کہ مؤخرالذکر قسم ، جسے ربوا الفضل یعنی زیادتی کا ربوا کہتے ہیں ، بعد کی چیز ہے ۔صحابہ میں سے حضرت معاویہ رضہ ، حضرت اسامہ بن زید رضہ ، حضرت زیدبن ارقم رضہ ، حضرت عبداللہ بن عباس رضہ ، حضرت عبداللہ بن عمر رضہ وغیرھم اس کے وجود سے ناواقف تھے ۔ (جیسا کہ محولہ بالا احادیث کے مطالعہ سے پتہ چل سکتا ہے)۔ بعض روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آخر میں مؤخر الذکر دونوں صحابیوں نے رجوع کر لیا تھا ۔ لیکن صحیح بخاری کے الفاظ لاربا الا فی النسیئۃ کے حصروتاکید سے پتہ چلتا ہے کہ اس دوسرے اور بعد میں زیادہ قبولیت حاصل کرنے والے مسلک کے علی الرغم اکثر صحابہ صرف ربا النسیئہ کے ربوا ہونے پر آخر دم تک مصر رہے ۔

ربوا الفضل اور ربوا النسیئہ کی حدیثوں کا یہ شدید معارضہ ہمارے قدمائے محدثین و فقہاء کے پیش نظر تھا اور انہوں نے اس کی توجیہ کی کوششیں کی ہیں - جن میں سب سے مشہور و مقبول تطبیق سر آمد فقہاء و محدثین امام شافعی رح کی ہے - وہ فرماتے ہیں :-

قد یکون اسامة سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یسئل عن الصنفین المختلفین مثل الذهب بالورق والتمر بالحنطة او ما اختلف جنسه متفاضلا یداً بید فقال انما الربا فی النسیئه أوتکون المسئلة سبقته بهذا فادرك الجواب فروی الجواب ولم یحفظ المسئلة او شك فیها لأنه لیس فی حدیثه ما ینفی هذا عن حدیث أسامة فاحتمل موافقتها لهذا -

(الرسالہ ، مطبوعہ بولاق ، سنہ ١٣٢١ھ ، ص ٤٠) یعنی ''حضرت اسامہ رض لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف چیزوں مثلاً سونے کا چاندی سے ، کھجور کا گندم سے ، یا اس طرح کی دوسری مختلف الجنس چیزوں کے بڑھوتری کے ساتھ دست بدست تبادلے کے بارے میں سوال کرتے سنتے تھے - تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ربوا ادھار کے لین دین میں ہے - یا یہ ہو سکتا ہے کہ پوچھنے والے نے سوال کرتے وقت ہی یہ وضاحت کر دی ہو اور اسے مندرجہ بالا جواب ملا ہو - تو ہوا یہ کہ حضرت اسامہ رض نے جواب تو روایت کر دیا اور سوال کو بھول گئے - یا یہ ہے کہ انہیں اس بارے میں شک تھا - کیونکہ ان کی مروی حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جس سے ان کی روایت کے بارے میں ان (قیاسات) کی نفی ہوتی ہو - پس اس طرح اس حدیث کی دوسری حدیثوں سے تطبیق کا احتمال ہے '' - امام شافعی رح کے یہ قیاسات کہاں تک معارضہ کو دور کرتے ہیں ، یہ ہم قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں - لیکن ان احادیث کی تطبیق کے بارے میں آج کل کے اجتہاد کی ایک مثال حیرت انگیز ہے - مودودی صاحب ربوا الفضل کو ''سود'' نہیں بلکہ ''سود کے متعلقات'' میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

''سود کے مسئلہ میں ابتدائی حکم صرف یہ تھا کہ قرض کے معاملات میں جو سودی لین دین ہوتا ہے - وہ قطعاً حرام ہے - چنانچہ اسامہ بن زید رض

سے جو حدیث مروی ہے اس میں حضور صلعم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ انما الربا في النسئية او في بعض الالفاظ لا ربا الا في النسيئة - یعنی ''سود صرف قرض کے معاملات'' میں ہے۔ لیکن بعد میں آنحضرت علیہ الصلواۃ و السلام نے اللہ تعالی کی اس حمیٰ کے ارد گرد بندشیں لگانا ضروری سمجھا تاکہ لوگ اس کے قریب بھی نہ پھٹک سکیں - اس قبیل سے وہ فرمان نبوی ہے جس میں سود کھانے اور کھلانے کے بعد سود کی دستاویز لکھنے اور اس پر گواہی دینے کو بھی حرام کیا گیا ہے - اور اس قبیل سے وہ احادیث ہیں جن میں ربوا الفضل کی تحریم کا حکم دیا گیا ہے'' - (رسالہ ''سود'' مطبوعہ لاہور ، سنہ ۱۹۶۱ء ، صفحہ ۱۴۸ تا ۱۴۹) -

مودودی صاحب کی عبارت سے ظاہر ہے کہ جس طرح ہر قسم کے اجناس میں ربا النسئیہ اور اس کا کھانا ، کھلانا ، اس کی دستاویز لکھنا ، اور اس پر گواہی دینا حرام ہے اسی طرح ربوا الفضل کا حکم بھی ہے -

آگے چلکر '' ربوا الفضل کا مفہوم '' کا عنوان باندھ کر وہ لکھتے ہیں :- '' ربوا الفضل اس زیادتی کو کہتے ہیں جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حرام قرار دیا - کیونکہ اس سے زیادہ ستانی کا دروازہ کھلتا ہے اور انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے جس کا آخری ثمرہ سود خواری ہے '' - (ایضاً ، ص ۱۴۹)

گویا وہ تاکید کر رہے ہیں کہ ربوا الفضل عام زیادتی ہے جو ایک ہی جنس کی تمام چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو - ربوا الفضل کے مفہوم میں یہ ربوی کیفیت دیدنی ہے ! احادیث میں تو صرف چھ متعین اشیاء میں ربوا الفضل کا حکم تھا - مودودی صاحب نے اسے اضعافا مضاعفہ کر کے ہر طرح کی ''زیادہ ستانی کا دروازہ'' بند کر دیا -

(۲) ربوا کی احادیث میں معارضے کی دوسری مثال جانوروں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں ہے۔ عرب کی اقتصادی زندگی میں جانوروں بالخصوص اونٹوں اور گھوڑوں کو جو اہمیت حاصل تھی اس کے پیش نظر یہ معارضہ زیادہ معنی خیز ہے۔ مؤطا امام

مالک میں حضرت علی رض سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنا ایک اونٹ ادھار پر بیچا اور بدلے میں بیس اونٹ لئے۔ روایت درج ذیل ہے :-

عن علی ابن أبی طالب رضی اللہ عنہ انہ باع جملا لہ بعشرین بعیرا الی اجل ۔ (مؤطا مالك ، كتاب البيوع ، باب ما يجوز من بيع الحيوان بعضه ببعض والسلف فيه) ۔

امام بخاری رح نے اس طرح کے لین دین کے جواز کے ثبوت میں ایک مستقل باب باندھا ہے :- '' باب بيع العبيد والحيوان بالحيوان نسيئة '' ۔

اس میں حضرت عبد اللہ بن عمر رض ، حضرت عبداللہ بن عباس رض ، حضرت رافع بن خدیج رض ، حضرت سعید بن المسیب رح ، اور حضرت ابن سیرین رح ، جیسے اجل فقہائے صحابہ و تابعین سے اس قسم کے معاملات کا جواز مروی ہے ۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ لا بأس بعير ببعيرين نسيئة ۔

'' یعنی ایک اونٹ ادھار کے بدلے میں دو اونٹوں کا لین دین کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں '' ۔ (صحیح البخاری ، کتاب البیوع ، کما سبق ذکرہ)—سنن ابی داؤد اور مسند احمد بن حنبل میں حضور اکرم صلعم سے ایک حدیث مروی ہے جس سے اس قسم کے ادھار کے کاروبار کی حلت خود سنت نبوی میں ملتی ہے ۔

حدثنا حفص بن عمر حدثنا حماد بن سلمة عن محمد بن اسحاق عن يزيد بن ابی حبيب عن مسلم بن جبير عن ابی سفيان عن عمرو بن حريش عن عبداللہ بن عمرو بن العاص ان رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم امره ان يجهز جيشاً فنفدت الا بل فامره ان ياخذ من قلاص الصدقة وكان ياخذ البعير بالبعيرين الی اہل الصدقة—(سنن ابی داؤد ، كتاب البيوع ، باب في الرخصة ۔ ایضاً ، مسند احمد بن حنبل ، مطبع میمنیہ ، مصر ، ۱۳۱۳ھ ، ج ۲ ، ص ۱۷۱)

یعنی '' حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کے لئے سامان مہیا کرنے کا حکم دیا ۔ اونٹ کم پڑ گئے تو آپ نے انہیں کہا کہ صدقہ میں آئندہ دی جانے والی

لوجوان اونٹنیوں کے بدلے میں سودا کر لیں ۔ چنانچہ انہوں نے آئندہ صدقے میں آنے والے دو اونٹوں کے بدلے میں ایک (نقد) اونٹ کے حساب سے سودا کیا"۔ یہ روایت سنن بیہقی میں ایک اور زیادہ مضبوط طریق اسناد سے بھی موجود ہے ۔ (سنن البیہقی الکبریٰ، مطبوعہ حیدرآباد، سنہ ۱۳۵۲ھ، ج ۵، ص ۲۸۸) ۔

امام مالک رح، اور امام بخاری رح جیسے طبقہ متقدمین کے محدثوں کے مقابلے میں بعد کے اصحاب سنن کی اس معاملہ میں رائے بہت مختلف ہے اور بتدریج شدت پکڑتی نظر آتی ہے ۔ جامع ترمذی میں روایت ہے کہ :

حدثنا ابو عمار الحسین بن الحریث حدثنا عبداللہ بن نمیر عن الحجاج بن ارطاۃ عن ابی الزبیر عن جابر رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحیوان اثنین بواحدۃ لا یصلح نسیئاً و لا بأس بہ یداً بید ۔ (جامع الترمذی ، کتاب البیوع ، باب ما جاء فی کراھیۃ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ) ۔

یعنی "حضرت جابر رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ادھار کی صورت میں ایک جانور کے بدلے میں دو جانور لینا درست نہیں البتہ اگر دست بدست ایسا سودا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ اصحاب سنن نے آگے چل کر جانوروں کا ادھار کا لین دین ہی سرے سے ممنوع قرار دے دیا، چاہے معاملہ بغیر کسی اضافہ کے ہو ۔ بعد کی اس حدیث کی عبارت یوں ہے :-

حدثنا محمد بن المثنیٰ ابو موسیٰ حدثنا عبدالرحمن بن مہدی عن حماد بن سلمۃ عن قتادہ عن الحسن عن سمرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ ۔ (سنن ابی داؤد کتاب البیوع ، باب الحیوان بالحیوان نسیئۃ ۔ سنن نسائی ، ایضاً ۔ ، سنن الدامی ، مطبوعہ دمشق، سنہ ۱۳۴۹ھ، ج ۲، ص ۲۵۴ ۔ سنن ابن ماجہ ، ابواب التجارات،

باب الحیوان بالحیوان نسیئة - سنن الکبریٰ للبیہقی ، ج ٥ ، ص ٢٨٩ - جامع الترمذی ابواب البیـــوع ، باب ما جاء في كراهيـــة بيع الحيـــوان بالحيـــوان نسيئة)-

یعنی ''حضرت سمرہ رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے بدلے میں جانور کے ادھار کے لین دین سے منع فرمایا ہے '' - یہی حدیث مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے - لیکن معنی خیز بات یہ ہے کہ اس کے اصل میں نہیں بلکہ اس تتمہ میں ہے جو امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے نے شامل کیا ہے اور اس کی ان احادیث میں جو انھوں نے براہ راست نہیں بلکہ ایک واسطے سے اپنے والد سے روایت کی ہیں - (مسند احمد بن حنبل ، محولہ بالا ، ج ٥ ، ص ١٢ ، ١٩ ، ٢١ ، ٢٢ اور ٩٩) مؤخر الذکر سنن اور طبقہ متاخرین کے دیگر مجموعہ ہائے احادیث میں ساتھ ہی ساتھ معارض حدیثیں بھی موجود ہیں- ان معارض حدیثوں کے تقدم زمانی کے باعث ایسا ہونا ہرگز موجب حیرت نہیں -

(٣) معارضے کی ایک شکل زمین کو بٹائی پر دینے کے سلسلے میں پیدا ہوئی ہے - زمینداری اور جاگیر داری نے مسلمانوں کے معاشرے کو جس طرح گھن لگایا ہے اس کے پیش نظر ان احادیث کا بغور مطالعہ اور زیادہ ضروری ہے - مؤطا امام مالک ، صحیح بخاری ، صحیح مسلم اور صحاح کی تمام کتابوں میں زمین کو بٹائی پر دینے (یعنی مزارعہ یا محاقلہ) اور نقد لگان پر اٹھانے (یعنی کرا الارض ، لفظی معنی زمین کا کرایہ لینا یا مخابرة) کی صریح ممانعت آئی ہے - صحاح کی ان تمام کتابوں میں اس ممانعت کے لئے نہی عن کرا الارض ، نہی عن المخابرہ والمحاقلة - وغیرہ کے عنوانات سے مستقل ابواب ان احادیث پر مشتمل ہیں .. یہ احادیث چھ مختلف اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت رافع بن خدیج رض ، حضرت جابر بن عبد اللہ رض ، حضرت ابو ہریرہ رض ، حضرت زید بن ثابت رض ، حضرت ابو سعید خدری رض اور حضرت ثابت بن ضحاک رض سے مروی ہیں - اور ان میں سے ہر صحابی سے ایک نہیں بلکہ متعدد طریقوں سے مسند ہیں - معاملات میں شاذ ہی ایسی صورتیں ہیں جہاں ان احادیث کی شہرت اس قدر حد تواتر کے قریب پہنچ گئی ہو - یہ

تغیر الفاظ و عبارت ان تمام احادیث کا ماحصل صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ : حدثنا ابن نمیر حدثنا أبی حدثنا عبدالملك عن عطاء عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کانت له ارض فلیزرعها فان لم یستطع ان یزرعها وعجز عنها فلیمنحها اخاها المسلم ولا یواجرها ایاه (صحیح مسلم ، کتاب البیوع ، باب کراء الارض) -

یعنی ''حضرت جابر رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو اسے چاہئے کہ کاشت کرے اور اگر وہ کاشت نہیں کرسکتا اور اس کی (پوری) کاشت پر قادر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ زمین (یا زمین کا وہ حصہ) اپنے بھائی مسلمان کو ہبہ کردے یا عاریہ دے دے اور اس کی اجرت (کسی شکل میں) نہ لے -''

طبقۂ متقدمین کے مجموعہ ہائے احادیث یعنی مؤطا امام مالک و صحیحین تک تو ان احادیث میں زمین کو بٹائی پر دیتے یا اس کا نقد لگان وصول کرنے کی ممانعت آئی ہے گو اسے ربوا نہیں قرار دیا گیا - لیکن ہمارے موضوع زیر بحث کے لحاظ سے اہم بات یہ ہے کہ بعد کی **سنن ابی داؤد کی حضرت جابر بن عبداللہ رضہ ھی سے مروی ایک حدیث میں اس جابرانہ نظم زراعت کو ربوا قرار دیا گیا ہے -**

حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

حدثنا یحي بن معین حدثنا ابن رجاء یعنی المکي قال ابن خثیم حدثنی عن أبی الزبیر عن جابر بن عبدالله قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من لم یذر المخابرة فلیؤذن بحرب من الله ورسوله (کتاب البیوع باب المخابرة) —

یعنی ''حضرت جابررض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص زمین کو بٹائی پر دینے سے باز نہیں آئے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار رہے'' - قابل غور امر یہ ہے کہ قرآن نے ربوا کے لئے جو شدید ترین تہدیدی الفاظ استعمال کئے تھے وہی الفاظ زمینداری کے لئے اس حدیث میں استعمال ہوئے ہیں -

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کے بعد جب ایران کے مضبوط جاگیردارانہ نظام سے مسلمانوں کا سابقہ پڑا تو بعض حلقوں میں اس بارے میں اجتہاد سے کام لیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے زمین کا جو معاملہ کیا تھا یعنی ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دی تھیں اس شرط پر کہ اس کی کاشت کا نصف وہ اپنے پاس رکھیں اور نصف مسلمانوں کو دے دیں۔ اس طریقہ کار کو دلیل بناکر زمینداری کی راہ نکالی گئی۔ چنانچہ صحاح کی بحولہٗ بالا کتابوں میں اس مضمون کی حدیث موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمررض ایک عرصہٗ دراز تک مخابرہ کرتے رہے اگرچہ انہیں احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ آخر عمر میں انہوں نے اسے ترک کردیا تھا۔

امام ابو حنیفہ رح نے خیبر کے واقعہ کی توجیہ یہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر کے یہودیوں سے یہ معاملہ کرنا بطور خراج کے تھا۔ آپ کا یہ یہود کے ساتھ احسان مندانہ اور صلح جویانہ فعل تھا ورنہ خیبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کیا تھا اور یہ پورا علاقہ مال غنیمت تھا۔ تو اگر رسول اللہ صلعم ساری زمین پر متصرف ہوجاتے، تب بھی جائز تھا۔ لیکن آپ نے یہ نہیں کیا بلکہ کاشت کا نصف انکے پاس رہنے دیا۔ (''کانت بطریق الخراج علی وجہ المن علیہم والصلح لانہ صلی اللہ علیہ وسلم ملکہا غنیمۃ فلوکان اخذ کلہا جاز وترکہا فی ایدیہم بشرط ما یخرج منہا۔'' عمدۃالقاری للعینی، مطبوعہ استانبول، سنہ ۱۳۱۰ھ، ج ۵، ص ۲۳۷) احناف کے جلیل القدر محدث امام عینی رح نے امام ابو حنیفہ رح کی تائید میں فرمایا ہے کہ :-

لم یرو فی شیٔ من الاخبار انہ اخذ منہم الجزیۃ الی ان مات ولا ابوبکر ولا عمر الخ۔ (ایضاً)

یعنی '' احادیث میں کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے حین حیات میں خیبر کے یہودیوں سے جزیہ لیا ہو نہ حضرت ابو بکررض، نہ حضرت عمررض سے ایسی کوئی کارروائی مروی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رض نے انہیں خیبر سے جلاوطن کردیا۔ اگر انکے ساتھ یہ معاملہ طے نہ ہوتا تو جزیہ کی آیت نازل ہونے پر ان سے جزیہ ضرور

لیا جاتا ''۔ ضمناً یہ وضاحت ضروری ہے کہ امام عینی رح کی یہ دلیل درحقیقت امام ابو حنیفہ رح کی دلیل کے منافی ہے۔ کیونکہ اگر خیبر کا علاقہ مال غنیمت تھا تو پھر جزیہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

سنن ابی داؤد کی حضرت جابر بن عبداللہ رض سے مروی صحیح حدیث میں زمین کو بٹائی پر دینے کو ربوا کی شدید ترین دھمکی کا سزاوار قرار دئے جانے اور حد تواتر کے قریب پہنچنے والی اس کی موئید دیگر حدیثوں کے علی الرغم مودودی صاحب نے اپنے رسالے '' ملکیت زمین '' (مطبوعہ' لاہور' سلسلہ مطبوعات جماعت اسلامی نمبر ۲۰) میں زمینداری کی شکل میں '' ربوا '' کے جواز کی وجہیں تلاش کی ہیں اور انہیں اس سلسلہ میں مرزا بشیرالدین محمود صاحب کی تائید بھی حاصل ہے ۔ (ملاحظہ ہو مرزا صاحب کا رسالہ '' اسلام اور ملکیت زمین '' مطبوعہ' ربوہ ') ۔

ربوا کے بارے میں احادیث میں یہ معارضہ خاصا دقت طلب مسئلہ ہے ۔ اس معارضے کی تطبیق اور توجیہ کی متعدد کوششیں کی گئی ہیں ۔ اسناد کے اعتبار سے تو ان میں رد و قبول کی بہت کم گنجائش ہے ۔ کیونکہ جیسا کہ مندرجہ' بالا سطور سے ظاہر ہے ان میں سے ہر مضمون کی حدیث کے لئے صحاح کے ذخیروں میں وافر حصہ موجود ہے ۔ اور ہر حدیث کو یا تو خود سند صحت حاصل ہے ۔ یا اس کی تائید میں صحیح حدیثیں موجود ہیں ۔ درایت کی رو سے جو قیاسات پیش کئے گئے ہیں ان کے مقابلے میں ہمارے خیال میں ان احادیث کی تاریخی ترتیب کو پیش نظر رکھنا کہیں زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ تاریخی ترتیب ایک یقینی امر ہے ۔ قیاسی یا ظنی نہیں ۔ اگر اس طریقے پر ان احادیث کا جائزہ لیا جائے تو ان میں ایک واضح ارتقائی عمل نظر آنے لگتا ہے ۔ محدثین کے طبقہ' متقدمین سے متوسطین اور ان سے متاخرین تک پہنچتے ہوئے ربوا کی تعبیر کے بارے میں شدت اختیار کرنے کا بڑھتا ہوا رجحان اوپر کی تینوں صورتوں میں نمایاں ہے۔ ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ ربوا کی تعریف کے بارے میں بھی روایات کے اندر اسی قسم کا ارتقائی عمل پایا جاتا ہے ۔یہی عمل ارتقا معارضے کا سبب ہے ۔

معارضے کے علاوہ ان میں سے اکثر احادیث میں بعض دوسری الجھنیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جن کو سلجھانے سے کم از کم ہم ضرور قاصر ہیں مثلاً :-

(۱) جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، سونے، چاندی، گیہوں، جو، کھجور، اور نمک میں دست بدست تبادلہ بھی اگر زیادتی کمی کے ساتھ ہو، تو بہت سی احادیث کی رو سے یہ ربوا ہے۔ اور اسی کو ربوا الفضل کہا گیا ہے۔ اس کی رو سے مثلاً، اگر قسم اول کے سیر بھر گندم کے بدلے میں سوا سیر قسم دوم کا لین دین ربوا ہوگا۔ اسی طرح لاہوری نمک اور کراچی کے نمک کا تبادلہ، خواہ دست بدست ہو، لیکن برابر ہو، ورنہ ربوا ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

کیا ایسے ہی معاملات کے لئے قرآن نے خدا اور اس کے ساتھ اعلان جنگ کا الٹی میٹم دیا ہے؟ کیا اسی لین دین پر وہ حدیثیں صادق آتی ہیں جن میں ربوا کو اپنی ماں سے زنا کے برابر بتایا گیا ہے ؟-

(۲) مؤطا امام مالک اور صحیح بخاری کی رو سے مویشی میں ادھار تک کا لین دین بڑھوتری کے ساتھ روا ہے، ربوا نہیں تو پھر مال میں اس طرح کی بڑھوتری کیونکر ربوا ہے

(۳) صحیح مسلم اور صحاح کی دوسری کتابوں میں نہ صرف مویشی بلکہ غلاموں کے لین دین یا تانبے کے پیسوں کے لین دین میں ادھار کے ساتھ بڑھوتری کے جواز کی حدیثیں موجود ہیں۔

جن میں سے بیشتر کے حوالے سطور بالا کے ابواب حدیث میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ ان ہی احادیث کے پیش نظر امام بیہقی نے اپنی سنن کبریٰ میں ایک پورا باب باندھا ہے کہ :

لاربا فی ما خرج من الماکول والمشروب والذھب والفضۃ۔

(ج ۵، ص ۱۸۹ تا ۲۸۷)

''کھانے اور پینے کی چیزون اور سونے چاندی سے باھر کسی چیز میں ربوا نہیں''۔ گویا پاکستان کی معاشیات کا انحصار بیشتر جن اشیاء پر ھے یعنی کپاس اور جوٹ ان کے معاملہ میں ربوا کا کوئی ڈر نہیں۔ لیکن ممکن ھے کہ آج کے فقہا یہ فرمائیں کہ جوٹ کو سنہری ریشہ اور کپاس کو نقرئی دولت کہا جاتا ھے، اس لئے یہ دولوں بھی سونے اور چاندی کے ذیل میں آتے ھیں - یہی حال ایران و عرب ممالک کے پٹرول کا بھی ھوگا کیونکہ اسے سیال سونا کہا جاتا ھے - لیکن جانوروں کی کھالوں کے بارے میں کیا تفقہ ھوگا کیونکہ وہ بھی ھماری ملکی دولت کا ایک بڑا ذریعہ ھیں؟

صحیح احادیث کے ذخیرے میں ربوا کے بارے میں جو شدید معارضے کی صورتیں اور ناقابل حل الجھنیں پائی جاتی ھیں ان کے پیش نظر ربوا کی کوئی جامع اور مانع تعریف کی کوشش کرنا یقیناً ایک بڑا حوصلہ مندانہ اقدام ھے - لیکن کم از کم لغت نویسوں کے لئے تو تعریف پیش کئے بغیر مفر نہیں۔ چنانچہ تیسری صدی ھجری کے مشہور لغوی اور نحوی زجاج (متوفی ۳۱۱ھ) نے اس کی اس طرح تعریف کی :-

" الربا ربوا ن فالحرام کل قرض یوخذ منه اکثر منه او تجربه منفعة وما لیس بحرام ان یهد ما یستدعی به اکثر منه اویهدی لیهدی له اکثر منها (تاج العروس، ذیل ر 'ب' و - ایضاً، لسان العرب) یعنی ''ربا دو طرح کا ھے - ایک تو حرام ربوا یعنی ھر وہ قرض جس کے بدلے میں قرض کی اصل رقم سے زیادہ لیا جائے - یا جس سے کوئی نفع اٹھایا جائے - دوسرے جو حرام نہیں ھے یعنی وہ ھدیہ جس کے بدلے میں زیادہ طلب کیا جائے یا جو اس لئے دیا جائے کہ دوسرا شخص زیادہ بڑا ھدیہ دے گا ''- یہ تعریف ایسی ٹیڑھی تلی تھی کہ مقام حیرت ھوتا اگر احادیث کے مجموعوں میں راہ نہ پاتی - چنانچہ اس نے اپنی جگہ جس خوبی سے بنائی وہ قابل غور ھے - دوسری، تیسری اور چوتھی صدی ھجری تک اسی حدیث کا نام و نشان نہیں ملتا۔ صحاح اور سنن کی کتابیں اس سے خالی ھیں - یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل ' ان کے صاحبزادے اور شاگرد کا جمع کردہ مبسوط ترین مسند بھی اس سے

محروم ہے - یکایک پانچویں صدی ہجری میں بیہقی (متوفی سنہ ۴۵۸ھ) کی سنن میں ایک باب کا عنوان نظر آتا ہے :-

کل قرض جر منفعة فهو ربا (ج ۵، ص ۳۴۹ تا ۳۵۰)

اس میں یہ حدیث یوں نظر آتی ہے :-

اخبرنا ابو عبد الله الحافظ وابو سعيد بن ابى عمرو قال ثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا ابراهيم بن منقذ (وفي نسخة أخرى 'سعد') حد ثنى ادريس ابن يحيى عن عبد الله بن عياش قال حد ثنى يزيد بن ابى حبيب ابن ابى مرزوق النجيبى عن فضالة بن عبيد صاحب النبى صلى الله عليه وسلم انه قال كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا - موقوف - (ایضاً، ص ۳۵۰)

یعنی " صحابی رسول اللہ فضالہ" بن عبید نے فرمایا کہ ہر وہ قرض جس سے نفع اٹھایا جائے- ربوا کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے "- یہاں دو امور لائق توجہ ہیں - اولاً اب تک یعنی پانچویں صدی ہجری تک اس حدیث کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ پاتا- صحابی تک موقوف ہوجاتا ہے - ثانیاً ابھی تک اس میں تعریف کی جامعیت نہیں آئی- الفاظ بہت حد تک وہی ہیں جو سو ڈیڑھ سو سال بعد لسان العرب وغیرہ میں راہ پا گئے- یعنی "کل قرض جر منفعة" لیکن ابھی تک "فهو وجه من وجوه الربا" (یعنی ربوا کی شکلوں میں سے ایک شکل ہے) کا غیر قطعی انداز بیان موجود ہے - لغت کی جنتری کے ذریعہ غیر قطعیت کے بل نکل جانے کے بعد دسویں صدی ہجری میں سیوطی رح (متوفی ۹۱۱ھ) کی جامع الصغیر (مطبوعہ مصر، سنہ ۱۹۵۴ء) میں - "کل قرض جر منفعة فهو ربا" کی صورت میں یہ حدیث موجود ہے (ص ۹۴)— اس عرصے میں عمل ارتقا لے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادیا اور حضرت علی رض سے مروی ہوکر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بن گیا - حوالے کے لئے سیوطی رح نے ایک گمنام مسند حارث بن محمد بن ابی اسامہ" کا نام دیا ہے - جو موجودہ زمانہ تک علامہ زرکلی رح جیسے ماہر کتاب شناس کے علم میں نہیں آیا - اور جس کے بارے میں ان کا

کہنا ہے کہ ''له مسند لم یرتبه'' (الاعلام' ذیل حارث بن محمد بن ابی اسامه)۔ یعنی '' حارث بن محمد کا ایک مسند ہے جسے انھوں نے ترتیب نہیں دیا''۔ مگر امام سیوطی رح کی احتیاط لائق توجہ ہے کہ انھوں نے حدیث کے آگے یہ واضح کردیا کہ یہ ضعیف ہے - اسی دسویں صدی ہجری کے اواخر کے ہندوستانی محدث امام علی المتقی برہان پوری رح (متوفی ۹۷۵ھ) کے مشہور کنزالعمال (مطبوعہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۱۲ھ) کے فصل في لواحق کتاب الدین (ج ۱۶ ص ۶۶۵) میں نمبر ۸۷۰۷ کے تحت یہی حدیث انھیں الفاظ اور اسی حوالے (الحرث عن علی) سے درج ہے - مگر اتنی ترقی کے ساتھ کہ حرف ' ض ' (مخفف ضعیف) کا اشارہ ساقط ہے-یعنی ان چند سالوں میں یہ حدیث ضعیف نہیں رہی - تقریباً سو سال کی مزید مدت گذرنے پر اس کے مدارج میں اور اضافہ ہوا - گیارھویں صدی ہجری کے مصری عالم شیخ علی بن احمد العزیزی (متوفی ۱۰۷۰ ھ) نے سیوطی رح کی جامع الصغیر کی شرح السراج المنیر (مطبوعہ مصر' سنہ ۱۲۵ھ) میں اسے ''حسن لغیرہ'' قرار دیا (ج ۲' ص ۹۳) اور اب چودھویں صدی ہجری میں ہمارے ملک کے مشہور عالم مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے رسالہ ''مسئلہ سود'' (محولہ بالا) میں اس '' حدیث '' کے بارے میں فیض القدیر اور سراج المنیر کی رائیں نقل کرنے کے بعد اپنا حکم یہ صادر فرمایا کہ ''بہرحال یہ روایت محدثین کے نزدیک صالح للعمل ہے اس لئے اس کو استدلال میں پیش کیا جاسکتا ہے '' - (ص ۱۰) اس رسالے کے ضمیمہ میں جناب مفتی صاحب ممدوح نے مکرر اس ''حدیث'' پر زور دیا ہے اور اسی تعریف پر اپنے تمام مقدمات اور نتیجوں کی بنیاد رکھی ہے(ص ۹۷) -

الغرض ربوا کے بارے میں احادیث و روایات کے الدر ربوا کے عمل کا جو تصرف ہوا ہے وہ مقام حیرت ہے اور جائے عبرت بھی !

مفتی صاحب موصوف کو اس مزعومہ تعریف پر اتنا اصرار ہے کہ اس حدیث کے '' ضعیف '' (بلکہ فی الحقیقت سرے سے باطل) ہونے کے شبہ کو وہ یوں دور کرتے ہیں کہ '' جب کہ اہل لغت اور ائمہ تفسیر سب اس تعریف

پر متفق ھیں تو کسی مزید حدیث و روایت کی ضرورت بھی نہیں رہتی'' - (ص ۹ ے) - اس دعوی کو وہ رسالے کے شروع میں یوں بیان کر آئے تھے کہ ''خلاصہ یہ ھے کہ لفظ ربوا کا یہ مفہوم کہ قرض دے کر کچھ نفع لیا جائے - پہلے سے معروف و مشہور اور تمام عرب میں جانا پہچانا ھوا تھا - یہ حدیث بھی نہ ھوتی تو صرف لغت عرب اس کے بتلانے کے لئے کافی تھا- جس کے حوالے عنقریب آپ دیکھیں گے''- (ص ۱۰) — آگے چلکر صفحہ ۱۲ پر انہوں نے لغت عرب کا وہ حوالہ دیا ھے جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا - اور وہ ھے لسان العرب کی زجاج سے ماخوذ وہ تعریف جسے ھم اوپر نقل کر چکے ھیں - ظاھر ھے کہ لغت کی کسی کتاب میں خواہ وہ کتنی ھی مستند کیوں نہ ھو کسی لفظ کی کسی تعریف کا درج ھو جانا - اسے اس لفظ کی لغوی تعریف نہیں بنا دیتا - یہ بھی جانی پہچانی بات ھے کہ ربوا کے معنی خود مفتی صاحب کے اپنے الفاظ میں ''لغت کے اعتبار سے زیادتی' بڑھوتری اور بلندی کے آتے ھیں'' (ص ۹) - ھم نے اس مقالے کی ابتدائی سطروں میں اس لفظ کے لغت عرب کے یہی معنی قرآن کے محل استعمال کی مثالوں سے واضح کئے ھیں -

مفتی صاحب موصوف نے اپنی اس تعریف کی تائید میں جو اقتباسات نقل کئے ھیں ان سے مندرجہ بالا حقیقت صاف واضح ھو جاتی ھے اور یہ بھی پتہ چلتا ھے کہ اھل لغت اور ائمہ تفسیر سب متفق ضرور ھیں لیکن اس بات پر کہ اس تعریف سے الگ اپنی اپنی منفرد تعریفیں پیش کرینگے -

ابن الاثیر لغت حدیث کی کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر (مطبوعہ مصر، ۱۳۲۲ھ، ج ۲، ص ٦٦) میں لکھتے ھیں :—

,, الربوا الاصل فیہ الزیادۃ - وفی الشرع الزیادۃ علی اصل المال من غیر عقد تبایع'' -

یعنی ''ربوا کے اصل معنی ھیں زیادتی اور شرعی اصطلاح میں معنی ھیں بیع کے عقد کے بغیر راس المال میں زیادتی'' - ابن العربی احکام القرآن نام کی فقہی تفسیر (مطبوعہ مصر، سنہ ۱۹۵۷ع) میں ربوا کی یوں تعریف کرتے ھیں -

الربا فی اللغة هو الزیادة و المراد به فی الایة کل زیادة لم یقابلها عوض (ج ۱ ، ص ۲۷۲) یعنی ''لغت میں ربوا کے معنی ہیں زیادتی - اور آیت میں اس سے مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو'' اور مشہور فقہی تفسیر یعنی امام ابو بکر جصاص رح کی احکام القرآن (مطبوعہ استانبول ، سنہ ۱۳۳۵ھ) میں تو زیادہ تاکید کے ساتھ موجود ہے کہ :

اصل الربا فی اللغة هوالزیادة . . . . و هو فی الشرع یقع علی معان لم یکن الاسم موضوعاً لها فی اللغة (ج ۱ ص ۴۶۴) —

یعنی '' لغت میں ربوا کے معنی ہیں زیادتی - لیکن شریعت میں یہ ان معنوں میں مستعمل ہے جن کے لئے یہ لفظ لغت میں وضع نہیں ہوا تھا'' - امام جصاص رح نے آگے چل کر خود ربوا کی تعریف پیش کی ہے اور وہ یوں ہے کہ

هوالقرض المشروط فیه الاجل وزیادة مال علی المستقرض (ج ۱ ص ۴۶۹)

یعنی ''وہ قرض جو کسی میعاد کے لئے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا راس المال پر کچھ زیادتی ادا کرے گا'' - مودودی صاحب نے اس تعریف کو یوں بیان کیا ہے کہ '' پس سود کی تعریف یہ قرار پائی کہ قرض میں دئے ہوئے راس المال پر جو زائد رقم مدت کے مقابلے میں شرط اور تعیین کے ساتھ لی جائے وہ سود ہے'' - (سود ، محولہ بالا ، ص ۱۳۹)

امام جصاص رح اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ :

'' الاسماء المنقولة من اللغة الی الشرع لمعان لم یکن الاسم موضوعا لها فی اللغة نحوالصلاة والصوم والزکاة فهو مفتقر الی البیان ولا یصح الاستدلال بعمومه فی تحریم شیء من العقود الافی ما قامت دلالته انه مسمی فی الشرع بذلک (احکام القرآن ج ۱ ، ص ۴۶۴ تا ۴۶۵)

یعنی '' جو لفظ لغت عرب سے اصطلاح شرع میں ان معنوں میں منتقل

ہوئے ہوں جن کے لئے لغت میں وہ لفظ وضع نہیں ہوئے تھے- جیسے صلاۃ، صوم، اور زکوۃ وہ الفاظ محتاج تعریف وبیان ہوتے ہیں- اور کسی (کاروباری) معاملہ کو حرام قرار دینے کے لئے اس لفظ یا اصطلاح سے عام استدلال کرنا درست نہیں- الا یہ کہ اس بات کی دلیل قائم ہو جائے کہ وہ خاص کاروباری معاملہ شرعی اصطلاح کا مدلول (مراد) ہے ۔'' ظاہر ہے کہ امام جصاص رح کا اس مسئلہ کے حل کے لئے طریقہ کار اس سے بہت مختلف ہے جو مفتی صاحب نے پیش کیا ہے اور جس کی رو سے ربوا کا مفہوم ''پہلے سے معروف اور تمام عرب میں جانا پہچانا ہوا تھا۔ یہ حدیث بھی نہ ہوتی تو صرف لغت عرب اس کے بتلانے کے لئے کافی تھا ۔'' (ص-۱۰)— مفتی صاحب کے نزدیک تو حدیث کے بغیر بھی ربوا کے معنی جانے پہچانے تھے - مودودی صاحب کی بصیرت اس سے آگے تک لے جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''چونکہ الربوا ایک خاص قسم کی زیادتی کا نام تھا اور وہ معلوم و مشہور تھی - اس لئے قرآن مجید میں اس کی کوئی تشریح نہیں کی گئی اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے - اسے چھوڑ دو''- (ص ۱۳۶) - امام جصاص رح چوتھی صدی ہجری کے فقیہہ و مفسر ہیں (متوفی ۳۷۰ھ) - کون کہتا ہے کہ چودھویں ہجری تک پہنچتے ہوئے ہمارے فقہاء و مفسرین کی بصیرت میں بڑھوتری نہیں ہوئی ؟

ہمیں امام جصاص رح کے اس خیال سے اتفاق نہیں کہ ربوا کی اصطلاح صوم ، صلواۃ ، زکواۃ وغیرہ تشریعی اصطلاحات کی طرح ہے - ہم نے اس مقالے کے پہلے حصہ میں تفسیری روایات اور تاریخ کی روشنی میں یہ واضح کر دیا ہے کہ ایک خاص قسم کا جاہرانہ معاشی کاروبار نزول قرآن کے وقت موجود تھا جسے ربوا کہتے تھے - اس کے باوجود ہم امام جصاص رح کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے یہ دیکھیں گے کہ مندرجہ بالا تعریفیں کسی دلیل پر قائم ہیں یا نہیں - کیا یہ قرآن کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں ؟ کیا احادیث کی رو سے یہ صحیح ہیں یعنی جامع اور مانع ہیں - کیونکہ تعریف کی صحت اس کی جامعیت اور مانعیت میں مضمر ہے ؟

قرآن کی رو سے تو مندرجہ بالا کوئی تعریف درست نظر نہیں آتی کیونکہ

جیسا کہ ہم اس مقالے کے پہلے حصہ میں بیان کر آئے ہیں (۱) قرآن کے اپنے واضح الفاظ (۲) اس کی تنزیل کی تاریخی ترتیب اور (۳) تابعی مفسرین کی روایات کی رو سے الربائی التضعیف یعنی ربوا چند در چند ہونے میں مضمر ہے۔

احادیث کے معارضے اور الجھاؤ کے باوجود ان سے اس ضمن میں یہ چند باتیں متبادر ہوتی ہیں :-

(۱) حضرت عمر رض کی طرف جو اثر منسوب ہے اور جس کی صحت پر ہم اس دوسرے حصے کے شروع میں بحث کر چکے ہیں ، اس کی رو سے ربوا کی جامع اور مانع تعریف ممکن ہی نہیں۔ تعجب ہے کہ ہمارے موجودہ اہل قلم ایک طرف تو اس اثر کی نہ صرف صحت بلکہ اہمیت پر زور دیتے ہیں، دوسری طرف ربوا کی تعریف کو ''جانا پہچانا'' اور ''مشہور و معروف'' بھی مانتے ہیں۔ لیکن ان اہل قلم کے برخلاف متقدمین کو اس اشکال کا احساس ہے - چنانچہ امام جصاص رح لکھتے ہیں :—

ان الربا قد صار اسما شرعیا لانه لوکان باقیا علی حکمه في اصل اللغة لما خفی علي عمر لانه کان عالما باسماء اللغة لانه من اهلها ویدل علیه ان العرب لم تکن تعرف بیع الذهب بالذهب والفضة بالفضة نساء ربا وهو ربا في الشرع واذ کان ذالک علی ما وصفنا صار بمنزلة سائر الاسماء المجملة المفتقرة الی البیان ـ (احکام القرآن' ج ۱ - ص ۴۶۴) —

یعنی '' ربوا اصطلاح شرعی بن گیا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے اصلی لغوی معنے میں باقی رہتا تو حضرت عمر رض پر اس کے معنی مخفی نہ رہتے کیونکہ وہ اہل زبان ہونے کی وجہ سے لغوی معنوں کو جانتے تھے - اور اس بات پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اہل عرب سونے کو سونے سے

اور چاندی کو چاندی سے ادھار کے لین دین کو ربوا نہیں سمجھتے تھے - جب کہ شریعت کی رو سے یہ ربوا ہے - چونکہ صورت امر وہ نہیں ہے جو ہم نے بیان کی اس لئے ربوا ان تمام الفاظ کی طرح ہوا جو مجمل ہیں اور محتاج تشریح و بیان " -

(۲) مندرجہ بالا تعریف حدیث کی رو سے جامع نہیں - کیونکہ ان میں سے کسی تعریف کا اطلاق ربوا الفضل پر نہیں ہوتا - (ملاحظہ ہو اس بارے میں احادیث کے معارضے کی کیفیت پر صفحہ ٦٦-٦٧) - تعجب ہے کہ ایک طرف مفتی صاحب اور مودودی صاحب اوپر کی تعریفات بالخصوص کل قرض جر منفعۃ فھو رباً (ہر وہ قرض جس سے نفع اٹھایا جائے وہ ربوا ہے) پر اپنا زور قلم صرف کرتے ہیں - (مفتی صاحب کے ارشادات اوپر نقل ہو چکے ہیں - مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ "فقہائے اسلام بھی پہلی (؟!) صدی ہجری سے آج تک اس اصول پر متفق رہے ہیں کہ " کل قرض جر منفعۃ فھو رباً " ہر قرض جس کے ساتھ (کذا) نفع حاصل کیا جائے ربوا ہے" - (ملاحظہ ہو رسالہ "سود" ص ۲۹۹) - دوسری طرف یہ اصحاب ربوا الفضل کو جس میں سرے سے قرض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ربوا تسلیم کرتے ہیں - (مسئلہ سود، ص ۱۰ تا ۱۱ سود ص ۱۴۷ تا ص ۱۵۵) -

(۳) تعریف زیر بحث اس طرح مانع بھی نہیں - کیونکہ صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل احادیث کی رو سے قرض پر ادائیگی کے وقت زیادتی ربوا نہیں بلکہ حدیث کے الفاظ میں "حسن قضا" ہے - امام مسلم رح نے اس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے :

باب من استسلف شیاً فقضی خیراً منه و خیرکم احسنکم قضاء

یعنی " باب جس نے کوئی چیز قرض لی اور اس سے بہتر لوٹا دی اور یہ کہ تم

میں سب سے اچھا وہ ہے جو قرض کی ادائیگی کے وقت سب سے اچھا ہو'' - اس باب میں ایک حدیث یوں ہے :—

حد ثنا ابوالطاهر احمد بن عمرو بن سرح اخبرنا ابن وهب عن مالك بن انس عن زيد بن اسلم عن عطاء بن يسارعن أبي رافع ان رسول الله صلى الله عليه وسلم استسلف من رجل بكرا فقدمت عليه ابل من ابل الصدقة فأمرأبا رافع ان يقضي الرجل بكره فرجع أبو رافع فقال لم اجد فيها الا خيارا رباعيا فقال أعطه اياه ان خيار الناس أحسنهم قضاء -

یعنی ''حضرت ابو رافع رض (مولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کم عمر اونٹ لیا - جب رسول اللہ صلعم کے سامنے صدقہ کے اونٹ پیش ہوئے تو آپ نے ابو رافع رض کو حکم دیا کہ اس شخص کو اس کا کم عمر اونٹ لوٹا دیا جائے - ابو رافع رض لوٹے اور انہوں نے بتایا کہ سارے اونٹ اچھے ، چنے چنے ' اور چھ چھ سال کے پلے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا ان ہی میں سے دے دو - کیونکہ لوگوں میں سب سے اچھے وہ ہیں جو قرض ادا کرنے میں سب سے اچھے ہوں '' - یہی روایت بہ ادنی تغیر الفاظ حضرت ابورافع رض سے ایک اور سلسلے سے اور حضرت ابو ہریرہ رض سے تین طریقوں سے مروی ہے -

حضرت ابو رافع رض والی روایت صحیح مسلم کے علاوہ موطا امام مالک کتاب البیوع ، باب ما یجوز من السلف میں یحیی عن مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسارعن ابی رافع کی سند سے موجود ہے - اور حضرت ابو ہریرہ رض والی روایت صحیح بخاری کتاب الاستقراض ، باب استقراض الابل میں بھی ہے - (ایضاً ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد کتاب البیوع، باب حسن القضاء - سنن ابن ماجہ ، ابواب التجارات ، باب السلم في الحيوان - جامع ترمذی ، کتاب البیوع ، باب ما جاء فی استقراض البعیر اوشیء من الحیوان - سنن نسائی ، کتاب البیوع ،

باب استسلاف الحیوان واستقراضه - سنن دارمی ، طبع دمشق ، سنه ۱۳۴۹ ھ ، ج ۲ ، ص ۲۵٤ ، کتاب البیوع ، باب في الرخصة في استقراض الحیوان اور مسند احمد بن حنبل، محولہ بالا، ج ٦، ص ۳۹۰)- مندرجہ بالا مشہور حدیثوں سے بعض دلوں میں شبہہ یہ گزرا ہے کہ ربوا کا یوں ''حسن قضا'' کی نیکی میں تبدیل ہوجانا صرف مویشیوں کی خرید و فروخت کی حد تک ہے - یہ خیال صحاح کی کتابوں کے ابواب کے عنوانات مندرجہ بالا میں سے اکثر سے عیاں ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہو تب بھی دو باتیں قابل غور ہیں - اولاً قرض کی ادئیگی کے وقت راس المال پر زیادتی اگر مویشیوں کے معاملے میں ربوا نہیں تب بھی کل قرض جر منفعةً فھو رباً کی کلیت کا کیا بنا ؟ ثانیاً ، جو معاملہ مویشیوں کے بارے میں حسن قضا کی نیکی ہو وھی مویشی کے علاوہ مال میں خدا اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کی عظیم ترین برائی بن جائے یہ کیوں کر ممکن ہے ؟

سنن ابی داؤد اور مسند احمد بن حنبل کی ایک حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مال اور مویشی کے درمیان ایسا واضح نامنصفانہ امتیاز ذات رسالتماب کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا - سنن ابی داؤد کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں -

حد ثنا احمد بن حنبل حد ثنا یحیی عن مسعر عن محارب قال سمعت جابر بن عبدالله یقول کان لی علی النبی صلی‌الله علیه وسلم دین فقضانی وزا دني (کتاب البیوع، باب حسن القضا و مسند احمد بن حنبل، ج ۳ ، ص ۳۱۹)

یعنی " حضرت جابر بن عبداللہ کہتے تھے کہ ان سے رسول اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم نے قرض لیا تھا جسے لوٹاتے وقت رسول اللہ صلی‌اللہ علیہ وسلم نے اصل پر اضافہ فرما دیا "

علاوہ ازیں جیسا کہ اوپر (صفحہ ٦۹-۷۰) پر تفصیل گزرچکی ہے موطا امام مالک اور صحیح بخاری کی حدیثوں کی رو سے مویشی کے ادھار لین دین میں ربوا سرے سے ہوتا ہی نہیں - اسی مضمون کی حدیث سنن ابی داؤد اور مسند احمد بن حنبل میں بھی موجود ہے جسے ہم اوپر (صفحہ ۷۰-۷۱) نقل

کر آئے ہیں - بات مویشیوں تک محدود نہیں رہتی بلکہ غلاموں اور تانبے کے پیسوں سے ہوتی ہوئی سنن بیہقی کی حدیثوں کی رو سے ہر اس چیز تک پہنچتی ہے جو کھانے پینے کی چیز نہیں اور نہ سونا یا چاندی ہے - (دیکھئے صفحہ ماسبق ۷۶-۷۷) ایسی صورت میں نہ صرف تعریف ''کل قرض جر منفعۃ فھو ربا'' بلکہ مندرجہ بالا تمام تعریفات کا جو حشر ہوتا ہے وہ ظاہر ہے -

(۴) ابن العربی صاحب احکام القرآن کی تعریف محولہ بالا یعنی کل زیادۃ لم یقا بلھا عوض (وہ زیادتی جس کے مقابلہ میں کوئی عوض نہ ہو) بہت دلچسپ ہے - اس لئے کہ اشتراکی مدرسۂ فکر کی اصطلاح unearned income (وہ آمدنی جو کمائی نہ گئی ہو) اس کی باز گشت معلوم ہوتی ہے لیکن یہ تعریف قبول کرنے کے بعد مضاربت کی کیا صورت جواز رہتی ہے ؟ مفتی صاحب نے اس تعریف کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہوئے شاید اس کے اس ''خطرناک'' پہلو کو نظرانداز فرما دیا - بعض اصحاب کہتے ہیں کہ مضاربت میں نفع نقصان کا ڈر risk زیادتی بہ شکل نفع کا عوض ہے - لیکن آج کل کے بڑے کار و بار big business میں جتنا خطرہ اس کے حصہ داروں کو ہوتا ہے اتنا ہی بینک کے ڈوبنے کا اندیشہ ہوتا ہے یا بینک کو اس قرضے کے ڈوبنے کا ہوتا ہے جو وہ کاروباری لوگوں کو دیتا ہے -

الغرض احادیث کی روشنی میں ربوا کی تعریف کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی - تو کیا اس باب میں تمام احادیث کو یکسر رد کر دیا جائے ؟ کیا ان سے انکارکر دیا جائے؟ **ہمارا جواب قطعی نفی میں ہے -** یہ ضرور ہے کہ ان فقہی احادیث میں ارتقائی عمل جس کے کرشمے ہم نے صفحات ماسبق پر دیکھے ہیں ، ان کے استناد کو مشکوک و مشتبہ بنا دیتا ہے - لیکن ان کے راویوں اور جامعوں کے ساتھ سوء ظن رکھنا اور ان کی کاوشوں کو رد کر دینا سخت نادانی ہوگی - حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں ان کی مساعی کے پیچھے جو روح کار فرما تھی وہ معاشی نظام کے بارے میں قرآنی تعلیمات کی روح تھی - اس لئے ہمیں یہ یقین ہے کہ احادیث کے ربوا کو سمجھنے کے لئے پہلے قرآن کے ربوا کو سمجھنا ضروری ہے -

قرآن نے جاھلیت کے جس ربوا کو حرام قرار دیا ہے ہم اس مقالے کے ابتدائی حصے میں اس کا ذکر کر چکے ھیں - لیکن یہ مسئلہ کا سلبی پہلو تھا اسکے ایجابی پہلو کو دیکھنے کیلئے ھمیں یہ اھم نکتہ ذھن‌نشین رکھنا چاھئے کہ **قرآن کے نزدیک ربوا کی ضد بیع نہیں بلکہ صدقہ ہے -** مسئلہ کی غلط تعبیریں اس وجہ سے ھوئی ھیں کہ ربوا اور بیع کو ایک دوسرے کا ضد سمجھا گیا اور اس طرح حرمت ربوا کی اخلاقی اھمیت کی جگہ فقہی موشگافیوں نے لے لی - قرآن ربوا کی مذمت کی پہلی ھی تنزیل میں ''وما آتیتم من ربا'' کے مقابل وما آتیتم من زکوٰۃ کا ذکر کرتا ہے (دیکھئے صفحہ ۴۵) اس طرح اس سلسلے کی آخری تنزیل میں یمحق اللہ الربا کے ساتھ ھی کہا گیا کہ یربی الصدقات اور ربوا کی ان آیتوں کو سورۂ بقرہ میں صدقات کی تنظیم، ان کے آداب و احکام اور ان کی معاشرہ میں قدر و قیمت پر مشتمل آیات کے طویل سلسلے کے فوراً بعد جگہ ملی - ھم نے مقالے کے پہلے حصے میں یہ واضح کر دیا تھا کہ (۱) قرآن کے صریح الفاظ لا تاکلوا الربا اضعافاً مضاعفۃ (۲) اس کی تاریخی تنزیلی ترتیب اور (۳) عہد سلف کی تفسیری روایات سے مبرھن ہے کہ جاھلیت کا ربوا جس کی تحریم قرآن میں آئی اس کی علت الحکم تضعیف فی القرض (قرض کا چند در چند ھو جانا) ہے - اس حقیقت کے پیش نظر یہ دیکھئے کہ آیات مندرجہ ذیل میں صدقہ کو حقیقی تضعیف فی القرض یعنی ربوا کا مدمقابل قرار دیا گیا ہے :—

(۱) من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضٰعفہ لہ اضعافاً کثیرا (البقرۃ ۲ : ۲۴۵) ''کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے سو اللہ اس قرضہ کو چند در چند بہت زیادہ بڑھا دیگا''

(۲) من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضٰعفہ لہ ولہ اجر کریم (الحدید ۵۷ : ۱۱)—''کون ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے - سو اللہ اس قرض کو چند در چند کر دیگا اور اسے اچھا بدلہ ملیگا''

(۳) ان تقرضوا اللہ قرضاً حسنا یضٰعفہ لکم ویغفر لکم (التغابن ۶۴ : ۱۷)—

"اگر تم اللہ کو اچھا قرض دو گے تو وہ تمہارے لئے اسے چند در چند کر دیگا اور تمہارے گناہ معاف کر دیگا" - اوپر کی یہ تینوں آیتیں سورہ روم کی مذمت ربوا کی پہلی آیت کے دوسرے ٹکڑے وما آتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فا ولئک ھم المضعفون کی تفسیرین نظر آتی ھیں - گویا ان آیتوں میں بھی ربوا اور صدقہ کا تضاد معہود ذھنی ھے -

قرآن کے نزدیک ربوا کی ضد صدقہ ھے - لیکن خود صدقہ کیا ھے ؟ - یہ سوال اپنی جگہ تفصیل طلب ھے ' جس کا یہ موقع نہیں - لیکن ھم یہاں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ گداگری ھرگز نہیں - علاوہ ازیں "وبضد ھا تتبین الاشیاء" (چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ھیں) کی حقیقت کے پیش نظر صدقہ اور ربوا کے تضاد پر زور دینا ضروری ھے - خواہ اس بارے میں ھمارے اشارات کتنے مجمل کیوں نہ ھوں - اس لئے کہ ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ (جس کا کلی ادراک نہیں ھو سکتا اسے بالکل چھوڑ بھی نہیں دیا جاتا -)

ربوا اور صدقہ ایک تنی ھوئی رسی کے دو سرے ھیں تو بیع ان کے درمیان کہیں معلق ھے - اس تناؤ سے صاف ظاھر ھے کہ قرآن مسابقت Competition اور مرابحت profit-seeking کی جگہ معاونت Co-operation اور مسامحت Mutual Consideration کا داعی ھے - یہی معاونت اور مسامحت صدقہ ' اور مسابقت اور مرابحت ربوا کی روح ھے - لیکن یہ یاد رھے کہ نہ معاونت اور مسامحت فقہی مصطلح صدقہ ھے نہ مسابقت اور مرابحت فقہی مصطلح ربوا - ناقابل تطبیق معارضہ ' ناقابل نظم انتشار ' اور ناقابل حل الجھاؤ کا سبب ان دونوں امور کا خلط ملط ھو جانا ھے - معاملے کی صورت ھمارے نزدیک یہ ھے کہ قرآن کی اخلاقی تعلیم اور اپنے زمانے کی سنت پر تعامل کو ایک تعمیری سانچہ بخشنے کی خواھش احادیث میں اس ارتقائی عمل کی محرک بنی جس کی وضاحت ھم اوپر کر آئے ھیں - ھمیں اس

نتیجے تک پہنچنے میں امام ابن قیمرح کے مندرجہ ذیل بصیرت افروز خیالات سے بہت مدد ملی ہے - ہم انہیں یہاں پر بالتفصیل نقل کرتے ہیں :—

الربا نوعان جلی و خفی فالجلی حرام لما فیه من الضرر العظیم والخفی حرام لانه ذریعة الی الجلی فتحریم الاول قصداً وتحریم الثانی وسیلة فاما الجلي فربا النسیة وهو الذی کانوا یفعلونه فی الجاهلیة مثل ان یوخر دینه ویزیده في المال وکلما اخره زاد فی المال حتی تصیر المئة عنده الافاً مولفة وفی الغالب لایفعل ذلك الا معدم محتاج فاذا رأی المستحق یؤخر مطالبته ویصبر علیه بزیادة لها له تکلف بذلها لیفتدی من اسر المطالبة والحبس ویدافع من وقت الي وقت فیشتد ضرره وتعظم مصیبته ویعلوه الدین حتي یستغرق جمیع موجوده فیربو المال علی المحتاج من غیر نفع یحصل له ویزید مال المرابی من غیر نفع یحصل منه لاخیه فیاکل مال اخیه بالباطل ویحصل اخوه علی غایة الضرر فمن رحمة ارحم الرحمین وحکمته واحسانه الي خلقه ان حرم الربا ولعن آکله ومؤکله وکاتبه وشاهدیه وآذن من لم یدعه بحربه وحرب رسوله ولم یجئ مثل هذا الوعید فی کبیرة غیره ولهذا کان من اکبر الکبائر وسئل الامام احمد عن الربا الذي لا یشك فیه فقال هو ان یکون له دین فیقول له اتقضی ام تربی فان لم یقضه زاده في المال وزاده هذا فی الاجل وقد جعل الله سبحانه الربا ضد الصدقة فالمرابي ضد المتصدق قال الله تعالی یمحق الله الربا ویربی الصدقات وقال وما آتیتم من ربا لیربوا في اموال الناس فلا یربوا عند الله وما آتیتم من زکوة تریدون وجه الله فاولئك هم المضعفون وقال یا ایها الذین آمنوا لا تأکلوا الربوا اضعافاً مضاعفة واتقوا الله لعلکم تفلحون

واتقوا النار التی اعدت للکافرین ثم ذکر الجنة التی اعدت للمتقین الذین ینفقون في السراء والضراء وهو ضد المرابین فنهي سبحانه عن الربا الذی هو ظلم للناس وامر بالصدقة التی هي احسان الیهم ۔ (اعلام الموقعین، مطبوعه دهلی سنه ۱۳۱۳ ھ ' ج ۱، ص ۲۰۰ تا ص ۲۰۱)

یعنی ''ربا کی دو قسمیں ہیں (۱) جلی اور (۲) خفی۔ ربائے جلی اپنے ضرر عظیم کی وجہ سے حرام کر دیا گیا اور ربائے خفی اس لئے حرام کیا گیا ہے کہ وہ ربائے جلی کے لئے ذریعہ ہے ۔ اس لئے پہلے کی تحریم قصداً ہوئی اوو دوسرے کی بطور سد ذرائع کے ۔ ربائے جلی درحقیقت ربا نسیة ہے اور وہ زمانۂ جاهلیة میں یہ تھا کہ قرض کی ادائیگی میں تاخیر اور اصل زر میں زیادتی کر دی جاتی ۔ چنانچہ ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوتی جاتی اصل میں اتنی ہی زیادتی ہوتی ۔ یہاں تک کہ سو کے ہزار دو ہزار ہو جاتے ۔ اغلب یہ ہے کہ ادائیگی میں تاخیر پر مفلس اور محتاج ہی مجبور ہوتا ۔ اور جب قرضخواہ چاہتا اپنے مطالبے کو مؤخر کر دیتا اور اس تاخیر پر صبر کر لیتا تاکہ اس کے بدلے میں اس کو اصل میں زیادتی کی شکل میں نفع ملے ۔ اور قرضدار اس زائد رقم کی ادائیگی پر مجبور ہوتا تاکہ قرضخواہ کے تقاضوں اور قید و بند کی سختیوں کو ٹال سکے ۔ اس طرح وقت ٹلتا جاتا اور ساتھ ہی ساتھ اس کا (مالی) نقصان شدید سے شدید تر ہو جاتا ۔ اس طرح مصیبت بڑھتی جاتی اور اس کا قرض بڑھتا جاتا ۔ یہاں تک کہ اس کی ساری پونجی اس کی نذر ہو جاتی ۔ یوں محتاج پر قرض کا بوجھ بڑھتا جاتا بغیر اس بات کے کہ اسے (مالی) نفع حاصل ہو ۔ دوسری طرف قرضخواہ کی دولت بڑھتی جاتی بغیر اس کے کہ اس بڑھوتری سے اس کے بھائی قرضدار کو کوئی نفع حاصل ہو ۔ اس طرح وہ (قرضخواہ) اپنے بھائی (قرضدار) کا مال ناجائز طریق سے کھاتا رہتا ہے اور اس کا بھائی انتہائی نقصان اٹھاتا رہتا ہے ۔ چنانچہ ارحم الرحمین کی رحمت اس کی حکمت اور اپنے بندوں پر اس کے احسان نے ربا کو حرام فرمایا ۔ اور اس کے لینے والے ' دینے والے ' لکھنے والے ، اور گواہ سب پر لعنت فرمائی ۔ اور جو اسے چھوڑنے پر تیار نہیں ان کو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا

چیلنج دیا - اس قسم کی وعید اس کے علاوہ کسی اور گناہ کبیرہ کے بارے میں نہیں آئی - اس لئے ظاہر ہوا کہ کبیرہ گناہوں میں یہ سب سے بڑا گناہ ہے - امام احمد (بن حنبل رح) سے ربا کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ ربا بتلائیے جس میں کوئی شک نہ ہو - انہوں نے فرمایا کہ " غیر مشکوک ربا یہ ہے کہ کسی کا کسی پر قرض ہو اور وہ مقروض سے پوچھے ' کیا تم ادا کرتے ہو یا بڑھوتی دیتے ہو ؟ ' - اگر وہ ادا نہ کر سکے تو قرض خواہ اصل زر میں اور مہلت ادائیگی میں اضافہ کر دے " — اللہ سبحانہ نے ربا کو صدقہ کے ضد کے طور پر بیان کیا - اس طرح ربا لینے والا صدقہ دینے والے کا ضد ہوگا - اللہ نے فرمایا یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات اور فرمایا وما اتیتم من ربوا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عنداللہ وما اتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فاولئک ھم المضعفون اور فرمایا

یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفۃً واتقوا اللہ لعلکم تفلحون واتقوا النار التی اعدت للکافرین ،،

اس کے بعد جنت کا ذکر فرمایا جو ان متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو تنگی اور فراخی میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور اس طرح وہ ربا لینے والوں کے قطعی ضد ہیں - الغرض اللہ سبحانہ نے ایک طرف ربا سے منع فرمایا کیونکہ یہ لوگوں پر ظلم ہے - دوسری طرف صدقہ کا حکم فرمایا جو ان پر احسان ہے - "

علامہ ابن القیم رح کے خیالات پر علامہ رشید رضا رح کا تبصرہ بھی لائق توجہ ہے وہ فرماتے ہیں :—

فھذا الربا الذی سماہ العلامہ ابن القیم بالربا الجلی وقال الامام احمد انہ الربا الذی لایشك فیہ المحرم بنص القرآن و حدّہ : ھو ربا النسیئۃ الذي كانوا يضا عفونه على الفقير الذي لا يجد وفأ بتوالى الايام والسنين هو منخرب البيوت ومزيل الرحمة من القلوب ومولد العداوة بين الاغنيأ والفقرأ . وما معنى حصر النبى صلى الله عليه وسلم الربا فيه الا بيان ما اراد الله تعالى من الربا الذى توعد عليه باشد الوعيد الذى توعد به

على الكفر : فهل يسمح لعاقل عقله ان يقول : ان تحريم هذا الربا ضار بالناس او عائق لهم عن انماء ثروتهم . اذا كانت الثروة لا تنموا الا بتخريب بيوت المعوزين لارضاء نهمة الطامعين ، فلا كان بشر يستحسن انماء هذه الثروة .

(تفسیر المنار ، مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۶۷ ھ ، ج ۳ ، ص ۱۰)

یعنی '' یہ ربا جسے علامہ ابن قیم رح نے ربائے جلی کہا ہے اور امام احمد (بن حنبل رح) نے اسے ایسا ربا فرمایا ہے جس کے نص قرآنی سے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں - وہ ربا نسیہ ہے - کہ غریب آدمی دنوں اور سالوں کے گذرنے پر بھی اسے ادا نہ کر پاتا تھا تو اسے چند در چند کرتے جاتے تھے - یہ گھروں کی تباہی لاتا دلوں سے نیکی دور کرتا اور امراء اور غربا کے مابین نفرت و عداوت کی خلیج حائل کرتا تھا - رسول اللہ صلعم کے ربا کو ربا نسیہ میں حصر کرنے کا مطلب یہی ہے کہ آپ نے ربا کے متعلق منشائے خداوندی کی توضیح فرمادی جس پر خداوند تعالیٰ نے شدید ترین وعید فرمائی ہے- جو حقیقتاً کفر پر وعید سے بھی زیادہ شدید ہے- کیا ایک صاحب عقل کی بصیرت یہ اجازت دے گی کہ وہ کہہ سکے کہ ربا کی یہ تحریم لوگوں کے حق میں نقصان دہ ہے اور ان کو دولت میں اضافے سے روکتی ہے ؟ سرمایہ اگر غریبوں کے گھر کی تباہی اور لالچی لوگوں کے حرص کی تسکین کے بغیر نہ بڑھ سکتا ہو تو کوئی ایسا انسان نہیں جو دولت کی اس بڑھوتی کو نظر استحسان سے دیکھے - ''

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن کا ربوا جس کی حرمت کا حکم واضح ہے وہ ہے جسے امام ابن قیم رح ''ربائے جلی'' کہہ رہے ہیں اور جس کی خصوصیت تضعیف فی القرض ہے اس کے علاوہ بیوع فاسدہ (کھوٹے کاروبار) کی بہت سی ایسی شکلیں ہیں جن میں ربوا کی روح مراجحت Profit-seeking کار فرما ہے جن کو امام ابن قیم رح نے ''ربائے خفی'' سے تعبیر کیا ہے اور جن پر طبقۂ متاخرین کے ایک جلیل ترین محدث علامہ ابن حجر عسقلانی رح کی یہ تعریف صادق آتی ہے کہ :

يطلق الربا على كل بيع محرم ۔

(فتح الباری ، مطبوعہ مصر ، سنہ ۱۳۱۹ ھ ، ج ۴ ، ص ۲۵۰) - یعنی '' ہر حرام بیع پر لفظ ربوا کا اطلاق ہوتا ہے '' اسی خیال کو تعمیری سانچہ دینے کی کوششیں احادیث و آثار کے مجموعوں میں ملتی ہیں- یہ تمام شکلیں مذموم ہیں لیکن ان پر حرمت ربوا کا عام حکم لگانے سے پہلے ہمیں اس اچھے اصول کو مد نظر رکھنا چاہئے جسے علامہ رشید رضا رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے -

التفرقة بين ماثبت بنص القرآن من الاحكام وما ثبت بروايت الاحاد واقيسة الفقهاء ضرورية - (تفسير المنار ، محوله بالا ، ج ۳ ، ص ۱۱۳)

یعنی '' جو احکام نص قرآن سے ثابت ہیں اور جو روایات آحاد اور فقہاء کے قیاسات سے ثابت ہیں ان دونوں کے درمیان تفریق ضروری ہے '' - علاوہ ازیں مصالح مرسلہ کے مسلمہ فقہی اصول کے پیش نظر یہ دیکھنا چاہئے کہ دور حاضر کے معاملات میں کونسی شکلیں امت کے لئے نسبتاً زیادہ مہلک ، ربوا کی روح سے زیادہ قریب اور اس لئے جار الی الحرام کی قبیل میں آنے کے لئے فوری توجہ کی مستحق ہیں - زمینداری اور جاگیر داری (مزارعت ، محاقلة اور مخابرہ) نفع خوری Profiteering اور ذخیرہ اندوزی hoarding (احتکار) بنکوں کے منافع bank interest کی نسبت '' ربائے جلی '' سے کہیں قریب تر ہیں - محض لفظی التباس کی بناء پر اس کے خلاف کوئی اجتہاد کرنا وہ غلطی ہے جس کی طرف امام جصاص رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں ارشاد کیا تھا جنہیں ہم اوپر صفحہ ۸۱ پر درج کر آئے ہیں اور جنہیں ان کی اہمیت کے پیش نظر پھر یہاں نقل کرتے ہیں :

لا يصح الاستدلال بعمومه فى تحريم شئى من العقود الا فى ما قامت دلالته انه مسمى فى الشرع بذلك ۔

یعنی '' کسی کاروباری معاملے کو حرام قرار دینے کے لئے کسی اصطلاح شرعی سے عام استدلال کرنا درست نہیں الا یہ کہ اس بات کی دلیل قائم ہو جائے کہ وہ خاص کاروباری معاملہ شرعی اصطلاح کا مراد (مدلول) ہے - ''

(۲)

ہمارے موجودہ معاشیاتی نظام میں بنک کے منافع کا مقام

علم معاشیات کی رو سے بنکوں کے منافع (Interest) کی شرح کی وہی حیثیت ہے جو ''قیمت'' کی ہے۔ یہ شرح ہمارے موجودہ معاشیاتی نظام میں وہی اہم کام سر انجام دیتی ہے جو ''قیمت کی مشینری'' (Price - mechanism) کرتی ہے۔ یعنی قرض کی رسد اور طلب کا نظم و نسق اور قرض کی محدود رسد کی اس کے طلب گاروں میں تقسیم ۔ اگر منافع (Interest) کی شرح یعنی معاشی اصطلاح میں '' روپیہ قرض لینے کی قیمت '' گھٹا کر صفر پر پہنچا دی جائے تو ہمیں ایسی صورت حال کا سامنا کرنا ہوگا جب کہ رسد تو محدود رہے گی مگر طلب لامحدود ہو جائے گی ۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ قرض کی محدود رسد کو ضبط و نظم کے اندر رکھنا اور اس کی تقسیم میں کسے اور کتنی اولیت دی جائے اس کا فیصلہ کرنا ناممکن ہو جائے گا ۔ بالخصوص ہمارے معاشرے میں جہاں رشوت ، رشتہ داری اور رسوخ کا دور دورہ ہے ، یہ تصور کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے کہ قرض کی محدود رسد پر ''قیمت کی مشینری'' کا قابو نہ ہو اور اس کی بے روک ٹوک تقسیم ہو ، تو صحیح استحقاق اور صحیح مقدار قرض کا خیال رکھا جا سکے گا اور سرمائے کی محدود رسد سے ترقیاتی کاموں میں بدرجۂ اتم فائدہ اٹھایا جا سکے گا ۔ ان موجودہ حالات میں بنک کے منافع (Interest) کی شرح ہی سرمایہ کی تقسیم کے لئے واحد بے لاگ معیار رہ جاتا ہے اور قرض کی صحیح ضرورت کے جانچنے کی صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے ۔ وہ یہ کہ طلب گار اس کی مناسب قیمت یعنی منافع کی شرح دینے کے لئے کس حد تک آمادہ ہے ۔ یہ عام تصور کہ بنکوں کے منافع کی یہ شرح بندی من مانی کاروائی ہے کہ جب جی میں آیا بنکوں نے منافع کی شرح گھٹا دی یا بڑھا دی ، بالکل بے بنیاد ہے ۔ مودودی صاحب معاشیات کے ماہرین کے اس مسلک کی جو طلب اور رسد کے قانون کو بنکوں کے منافع کی شرح کی بنیاد بتلاتا ہے ، تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ '' غور کیجئے اس کے معنی کیا ہیں ۔ سرمایہ دار یہ نہیں کرتا کہ سیدھے اور معقول طریقے سے کاروباری

آدمی کے ساتھ شرکت کا معاملہ طے کرے اور انصاف کے ساتھ اس کے واقعی منافع میں اپنا حصہ لگائے - اس کے بجائے وہ ایک اندازہ کرتا ہے کہ کاروبار میں اس شخص کو کم از کم اتنا فائدہ ہوگا لہذا جو رقم میں اسے دے رہا ہوں اس پر مجھے اتنا سود ملنا چاہئے - دوسری طرف کاروباری آدمی بھی اندازہ کرتا ہے کہ جو روپیہ میں اس سے لے رہا ہوں وہ مجھے زیادہ سے زیادہ اتنا نفع دے سکتا ہے - لہذا سود اس سے زیادہ نہ ہونا چاہئے - دونوں قیاس (Speculation) سے کام لیتے ہیں ،،- ('' سود ''۔ ص ۸۷ تا ص ۹۷) - معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے بنک کاری کے نظام پر غور نہیں کیا - وہ جس قسم کے مول تول کی تصویر کھینچ رہے ہیں وہ مہاجنی سود کی تصویر تو ہو سکتی ہے بنکوں کے مالیاتی نظام سے اسے دور کا واسطہ بھی نہیں- چھوٹے دکانداروں کی قیمتوں کے نرخ میں کمی بیشی تو ممکن ہے بلکہ ہوتا ہی ایسا رہتا ہے - لیکن بنکوں کے منافع (Bank Interest) کی شرح میں بقدر نصف بلکہ ربع فی صدی کی کمی بیشی بھی بہت سے معاشی عوامل کے تحت ہوتی ہے اور خود بہت بڑا عامل بن جاتی ہے - بنک کے منافع کی شرح کا تعین قرضخواہ اور قرضدار کے درمیان طے شدہ کسی شرط یا معاملے کا نتیجہ ہرگز نہیں - بلکہ اس کا تعین تو دوسرے بہت پیچیدہ عوامل پہلے سے طے کرچکے ہوئے ہیں "

معاشیات کے بعض ماہروں کے خیال کے مطابق بنکوں کے منافع کی شرح بتدریج گھٹا کر صفر کی حد تک پہنچائی جا سکتی ہے - در حقیقت معاشی نظام میں رجحان اس شرح کو گھٹانے کی طرف ہی رہا ہے - لیکن یہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ ملک میں حقیقی دولت اور سرمایہ کی مقدار زیادہ سے زیادہ وافر موجود ہو - جس قدر ملک میں سرمایہ بڑھے گا، اسی قدر یہ شرح گھٹے گی - جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے سرمایہ کی رسد کے محدود اور طلب کے لا محدود ہونے کی صورت میں منافع کی شرح کا کنٹرول باقی رکھنا ناگزیر ہوگا - لیکن اگر سرمایہ کی رسد محدود نہ رہے، بلکہ قرض کی رسد اور طلب میں مساوات یا تقریباً مساوات کی کیفیت پیدا ہو جائے، تو شرح منافع کے اس عنصر کو یقیناً ختم کیا جا سکتا ہے - لیکن یہ صورت حال ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سی ترقی یافتہ معیشت میں پیدا نہیں ہوسکی ہے،

تو پاکستان جیسے ملک میں ایسی صورت کے پیدا ہونے کی مستقل قریب میں امید نہیں رکھی جا سکتی - ہمیں اپنے ملک میں ایسی صورت حال کے پیدا کرنے کے لئے افزائش دولت کی ان تھک جدوجہد کرنی ہوگی اور جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو بنکوں کے منافع کی موجودہ شرح کو گوارہ کرنا ہوگا -

اشتراکی مدرسہ فکر کے معاشی ماہروں کے نزدیک بنکوں کے منافع کی شرح کی صورت بہت مختلف ہے- اشتراکیت کے نظرئے کے تحت قدر زائد Surplus Value یعنی نفع پیدا کرنے والا عنصر سرمایہ قطعاً نہیں بلکہ صرف محنت ہے - اس نظرئے کے تحت بنکوں کے منافع کیا معنی کسی قسم کے بیوپاری نفع یا سود کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے - نہ صرف مزارعت بلکہ مضاربت بھی اس نقطۂ نظر سے ناقابل قبول ہے - لیکن موجودہ اشتراکی مالیاتی نظام کو جیسا کہ وہ روس، یوگوسلاویہ یا دوسرے اشتراکی ملکوں میں رائج ہے، اپنے اس بنیادی اور اہم ترین نظریے کے برخلاف بنکوں کے منافع کو قبول کرنا پڑا ہے- ان کی تاویل یہ ہے کہ موجودہ عبوری دور میں اس سے مفر نہیں البتہ جب اشتراکیت کا مقصد اعلیٰ حاصل ہوجائے گا اور " ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق اور ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق " کے اصول پر تنظیم دولت کا اشتمالی (Communist) نظام قائم ہوجائے گا تب بنک کاری کے موجودہ نظام کی جگہ دوسرا نظام لے گا - اشتراکیت کا یہ موعودہ نظام کہاں تک ممکن العمل ہے اس سے قطع نظر اگر ہم نے اشتراکی نظام معیشت اختیار کیا تو اس کی پابندیاں اور اس کا جبر بھی قبول کرنا ہوگا جس کے لئے شاید ہم میں سے اکثر تیار نہ ہوں -

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں قرآن جس معاشی نظام کا داعی ہے اس کی بنیاد معاونت اور مسامحت کے جذبے یعنی صدقہ پر (جو گداگری ہرگز نہیں) رکھی گئی ہے - یہ معاشی نظام جس حد تک معاونت کا مطالبہ کرتا ہے اس کی جھلک مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کے عظیم واقعہ میں نظر آتی ہے - صدقہ کے جذبۂ صادق پر قائم شدہ اسلامی، رفاہی، تعاونی، دولت مشترکہ (Welfare Co-operative Conmonwealth) میں بنکوں کے منافع کی شرح بندی کی یقیناً ضرورت نہیں رہے گی - وہاں تو مسابقت

فی الخیرات کا جذبہ کار فرما ہوگا ۔ اس عظیم و ارفع مقصد کے لئے جدوجہد کرنا موجودہ زمانے کا جہاد اکبر ہے ۔ اسی جہاد اکبر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم حقائق سے خواہ وہ کیسے ہی تلخ کیوں نہ ہوں آنکھیں نہ بند کریں ۔ ان میں ایک تلخ ترین حقیقت یہ ہے کہ ہمارا موجودہ معاشرہ قرآن کے اعلیٰ معیار سے بہت دور ہے بلکہ اگر ان میں بعد المشرقین کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا ۔ ایسی صورت میں معاشرے کی اصلاح کئے بغیر بنکوں کے منافع کو منسوخ کردینے اور قرض حسنہ پر معاشی نظام کی بنیاد رکھنے کی دعوت دینا معاشی موت کو بلانا ہے ۔ حکومت سے مطالبہ کرنا کہ سڑکوں، اسپتالوں، تعلیم گاہوں وغیرہ کی تعمیر اور دوسرے غیر نفع بخش رفاہی کاموں کے لئے بغیر منافع کے قرضے جاری کرے، آجکل کے معاشرتی حالات میں در پردہ ان رفاہی کاموں کی تنسیخ کا مطالبہ ہے ۔ اسلام اور مسلمانوں سے یہ دوستی وہ ہے جس کے بارے میں غالب نے کہا تھا ۔ ع

ہوئے تم دوست جس کے اسکا دشمن آسماں کیوں ہو

(۴)

خلاصۂ مباحث

(۱) (الف) قران حکیم کے اپنے واضح الفاظ

لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة ۔

(ب) تحریم ربوا کی آیتوں کی تنزیل کی تاریخی ترتیب ،

(ج) ربوا کی حقیقت کے بارے میں جلیل القدر تابعی مفسرین قرآن کے آثار اور

(د) ذروا ما بقی من الربوا والی آیت کا شان نزول بتانے والی احادیث کی روشنی میں ۔

ربوا کی تعریف یہ ہوگی کہ " ادائیگی قرض کی مقررہ مدت میں تاخیر کے عوض میں راس المال پر اتنا اضافہ جس سے وہ اضعافا مضاعفہ ہو جائے ربوا ہے ۔"

۲) اس ربوا کی فوری قانونی ممانعت ضروری ہے ۔

(۳) قرآن حکیم نے ' ربوا ' کا ضد ' صدقہ ' بتایا ہے جو گداگری ہرگز نہیں - اس کے پیش نظر ایسے معاشی نظام کو استوار کرنا جس کی بنیاد معاونت اور مسامحت کے جذبے پر ہو مسلمانوں کا اخلاقی فرض ہے اور اس کے لئے حکومت اور عام مسلمانوں کا باہمی تعاون ضروری ہے -

(۴) احادیث میں اسی اخلاقی خیال کو وسعت دی گئی ہے - لیکن احادیث کے شدید معارضے اور قدمائے محدثین کے صحاح کا بعد کے محدثوں کے مجموعہ ہائے احادیث سے موازنہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ربوا کی احادیث میں ارتقائی عمل کارفرما رہا ہے -

(۵) قرآن حکیم کے جذبہ صدقہ کی تلقین اور احادیث سے اس قرآنی تعلیم کی تائید و تفصیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اقتصادی معاملات کی تمام فاسد شکلیں علامہ ابن قیم رح کی اصطلاح میں '' ربائے خفی '' کہی جا سکتی ہیں - لیکن بعد کی اس اصطلاح کا قرآن کی اصطلاح سے جو درحقیقت فقہی مصطلح ربوا ہے امتیاز قائم رکھنا ضروری ہے -

(۶) قرآن حکیم اور اس کی مؤید احادیث جس معاشی نظام کے قیام کی دعوت دیتے ہیں اس میں معاونت کے جذبے کی کما حقہ پرورش اور اس کے مطابق معاشرے کی اصلاح بنکوں کے منافع اور بنک کاری کے موجودہ نظام کو کالعدم کر دے گا جو عین منشائے قرآن و سنت ہے -

(۷) جب تک معاشرے کی مندرجہ بالا نہج پر اصلاح نہ ہو جائے بنکوں کے منافع کو یک قلم منسوخ قرار دینا ملک کی اقتصادی زندگی اور امت کی معاشی بہبودی کے لئے مہلک اور خلاف منشائے قرآن و سنت ہے -

(۸) قرآن و سنت کے مسلمہ اصول تدریج و تیسیر کے پیش نظر بنکوں کے منافع کی قانونی ممانعت سے قبل مزارعت یعنی زمینداری Feudalism اور احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی Hoarding جیسے صریحی ظالمانہ معاملات کے خلاف قانونی اقدام ضروری ہے -

(۹) بنکوں کے منافع کی شرح کو صفر تک پہنچائے یا بہ الفاظ دیگر اسے ختم کرنے کے مستحسن مقصد کے حصول کے لئے ملک میں زیادہ سے زیادہ

افزائش دولت کے لئے ہر پاکستانی کو ان تھک محنت کرنی لازمی ہے تاکہ سرمایہ کی رسد اس کی طلب کے مساوی یا تقریباً مساوی ہو جائے اور بنکوں کے منافع بلکہ نفع حاصل کرنے کے عام جذبے کی بنیاد ہی ختم ہو جائے ۔

(۱۰) حکومت کے اقدامات اور اصلاح معیشت و افزائش دولت کے لئے جمہور ملت کی اجتماعی کوششوں ہی سے وہ رفاہی تعاونی دولت مشترکہ (Welfare Co-operative Commonwealth) قائم ہو سکتی ہے جو موجودہ زمانے کے حالات کے اندر اسلام کے معاشی نظام کو نافذ کرنے کی واحد صورت ہے ۔

الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا واللہ واسع علیم (البقرہ ۲ : ۲۶۸)